حصہ چہارم

تحریرات پر اعتراضات

۱۔ شاعر ہونا

قرآن مجید میں ہے:۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِیْ لَهٗ نیز "اَلشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ" (الشعرآء: ۲۲۵) نبی شاعر نہیں ہوتا۔ مرزا صاحب شاعر تھے۔

الجواب (۱) بیشک قرآن مجید میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شاعر نہ تھے اور قرآن مجید نے شاعر کی تعریف بھی کر دی ہے۔ فرمایا:۔ "اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ" (سورۃ الشعراء: ۲۲۶، ۲۲۷) کہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ شاعر ہر وادی میں سرگردان پھرتے ہیں۔ یعنی ہوائی گھوڑے دوڑاتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔ گویا شاعر وہ ہے۔

۱۔ جو ہوائی گھوڑے دوڑائے۔ خیالی پلاؤ پکائے۔

۲۔ اس کے قول اور فعل میں مطابقت نہ ہو۔

فرمایا:۔ "مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ" (یٰس: ۷۰) ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوائی گھوڑے دوڑانا اور محض باتیں بنانا نہیں سکھایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں بھی یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں تھیں۔

اور (۲) لغت میں ہے:۔ وَقَوْلُهٗ تَعَالٰی حِكَايَةً عَنِ الْكُفَّارِ بَلِ افْتَرٰهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ وَقَوْلُهٗ شَاعِرٌ مَّجْنُوْنٌ ...... لَمْ يَقْصِدُوْا هٰذَا الْمَقْصِدَ فِيْمَا رَمَوْهُ بِهٖ وَذٰلِكَ اَنَّهٗ ظَاهِرٌ مِّنَ الْكَلَامِ اَنَّهٗ لَيْسَ عَلٰی اَسَالِيْبِ الشِّعْرِ وَلَا يَخْفٰی ذٰلِكَ عَلَی الْاَغْتَامِ مِنَ الْعَجَمِ فَضْلًا عَنْ بُلَغَاءِ الْعَرَبِ وَاِنَّمَا رَمَوْهُ بِالْكَذِبِ فَاِنَّ الشِّعْرَ يُعَبَّرُ بِهٖ عَنِ الْكَذِبِ وَالشَّاعِرُ الْكَاذِبُ ...... قِيْلَ اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَكْذَبُهٗ۔

(مفردات راغب صفحہ ۲۶۲، ۲۶۳ زیر لفظ شعر مصری)

کہ قرآن مجید میں جو یہ آتا ہے کہ کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور مجنون کہتے ہیں۔ اس سے مراد کافروں کی کلام موزوں کہنا نہ تھی۔ بلکہ جس بات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا جاتا تھا وہ اور تھی کیونکہ قرآن کا نثر ہونا تو ایسی بات ہے کہ کلام سے خود ہی ظاہر ہے (کہ یہ شعروں کی طرز پر نہیں) اور یہ امر ایک عام آدمی پر بھی مخفی نہیں رہ سکتا چہ جائیکہ بلغاء عرب نثر اور نظم میں تمیز نہ کر سکتے ہوں۔ پس اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنے کا الزام لگایا تھا۔ کیونکہ شعر سے مراد "جھوٹ" لی جاتی ہے اور شاعر کے معنے ہیں "کاذب" (جھوٹا)، عربی ضرب المثل ہے کہ سب سے اچھا شعر وہ

ہے جس میں سب سے زیادہ جھوٹ ہو۔

(۳) منطق کے امام علامہ شریف کہتے ہیں۔ وَالشِّعْرُ ---- اِنَّ مَدَارَهٗ عَلَى الْاَكَاذِيْبِ وَمِنْ ثَمَّةٍ قِيْلَ اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَكْذَبُهٗ (الحاشیۃ الکبری علیٰ شرح المطالع ص۱۱۲ مصری) کہ شعر کا مدار جھوٹ پر ہوتا ہے۔ اور ضرب المثل میں ہے کہ سب سے اچھا وہ شعر ہے جس میں بہت جھوٹ ہو۔

(۴) قرآن مجید میں ہے۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ (یٰس : ۷۰) کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر نہیں سکھایا۔ اب اگر شعر سے مراد کلام موزوں لیا جائے۔ تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ قرآن جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا گیا ہے۔ اس میں کلام موزوں بھی ہے جیسا کہ یہ آیت :-

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ - اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل : ۸۲)

(۵) حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین کے موقعہ پر فرمایا :-

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ   اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

(بخاری کتاب المغازی باب قول اللہ تعالیٰ ویوم حُنَیْنٍ جلد ۳ ص۴۱ مصری)

"کہ میں نبی ہوں جھوٹا نہیں۔ اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔"

اب وزن کے لحاظ سے یہ بحر رجز مخروف ہے اور قافیہ بھی ملتا ہے۔

(۶) پھر حدیث شریف میں ہے کہ ایک جنگ کے موقعہ پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُنگلی پر زخم آگیا تو آپ نے اس اُنگلی کو مخاطب کرکے یہ شعر پڑھا ؎

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ   وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ

(بخاری کتاب الجہاد والسیر باب من ینکب او یُطعَنُ فی سبیل اللہ جلد ۲ ص۹۶ مصری)

"کہ سوائے اس کے نہیں کہ تُو ایک اُنگلی ہے۔ جس میں سے کہ خون بہہ رہا ہے اور یہ جو کچھ تجھے ہوا خدا کی راہ میں ہوا ہے۔"

اب یہ بھی کلام موزوں ہے۔ پس اگر شعر سے مراد کلام موزوں لیا جائے تو یہ بالبداہت باطل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کی زد پڑتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ شعر سے مراد جھوٹ ہی ہے پس نفس شعر بلحاظ کلام موزوں کے بُری چیز نہیں۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شعر نہ کہتے اور نہ پڑھتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ؎

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق   اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

(درثمین اردو نیا ایڈیشن ص۸۳)

نیز حضرت اقدس علیہ السلام کا الہام ہے :-

"در کلام تو چیزے ست کہ شعراء را دراں دخلے نیست"

(تذکرہ ص۵۱۵ و ص۶۵۵ ایڈیشن سوم)

۲۔ غلط حوالے اور جھوٹے الزامات

مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں بعض حوالے غلط دیتے ہیں۔ مثلاً "ھٰذَا خَلِیْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِیُّ" بخاری میں نہیں ہے۔

الجواب:۔ نبی کو ہم سہو اور نسیان سے پاک نہیں مانتے۔

۱۔ قرآن میں ہے:۔ فَنَسِیَ (طٰهٰ: ۱۱۶) کہ آدم بھول گیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق نَسِیَا حُوْتَهُمَا" (الکہف: ۶۲) کہ وہ مچھلی بھول گئے اور آگے لکھا ہے کہ شیطان نے انہیں بھلا دیا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" (الکہف: ۱۱۱) نیز اُصِیْبُ وَاُخْطِیُٔ" (نبراس شرح الشرح لعقائد نسفی صفحہ ۳۹۲) کہ میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں۔ بعض دفعہ خطا کرتا ہوں۔

۲۔ بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ عشاء یا عصر کی نماز پڑھائی اور دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ وَرَجُلٌ يَدْعُوْهُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَا الْيَدَيْنِ فَقَالَ اَنَسِيْتَ اَمْ قُصِرَتْ فَقَالَ لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ قَالَ بَلٰى قَدْ نَسِيْتَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ۔" دوسری روایت میں ہے فَقَالَ اَكَمَا يَقُوْلُ ذُوالْيَدَيْنِ فَقَالُوْا نَعَمْ ۔ فَتَقَدَّمَ ۔ فَصَلّٰى مَا تَرَكَ ۔" (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من یکبر فی السجدۃ السہو جلد ۱ صفحہ ۱۴۷ و باب تشبیک الاصابع فی المسجد جلد ۱ صفحہ ۶۳ مصری) کہ ایک شخص وہاں موجود تھا جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذوالیدین کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز قصر کر کے حضورؐ نے پڑھی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز قصر کی گئی ہے۔ اِس پر اُس صحابیؓ نے جواب دیا کہ حضورؐ بھول گئے ہیں۔ "دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی صحابہؓ سے پوچھا کہ کیا ذوالیدین ٹھیک کہتا ہے؟ تو سب نے جواب دیا کہ ہاں! وہ ٹھیک کہتا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رُو کھڑے ہوتے اور دو رکعتیں جو آپ نے چھوڑ دی تھیں پڑھیں اور بعد میں سجدہ سہو بھی کیا۔

(نیز دیکھو صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب السہو فی الصلاۃ والسجود لہٗ جلد ۱ صفحہ ۲۱۵ مصری)

اَب کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ" کو کوئی جھوٹ قرار دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

۴۔ صحیح ترمذی کتاب المناقب میں ہے۔ عَنْ اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَمَرَنِیْ اَنْ اَقْرَءَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ فَقَرَءَ عَلَيْهِ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (سورۃ البینہ: ۲) وَقَرَءَ فِيْهَا اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْحَنِيْفِيَّةُ الْمُسْلِمَةُ وَلَا الْيَهُوْدِيَّةُ وَلَا النَّصْرَانِيَّةُ وَلَا الْمَجُوْسِيَّةُ مَنْ يَّعْمَلْ خَيْرًا فَلَنْ يُّكْفَرَهٗ وَلَوْ اَنَّ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيًا مِّنْ مَّالٍ لَابْتَغٰى اِلَيْهِ ثَانِيًا وَلَوْ كَانَ لَهٗ ثَانِيًا لَابْتَغٰى اِلَيْهِ ثَالِثًا وَلَا يَمْلَاُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ اِلَى اللّٰهِ

هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ" (ترمذی ابواب مناقب فی فضل ابی ابن کعب جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ مجتبائی) کہ حضرت ابی کعبؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ کو قرآن پڑھ کے سناؤں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" والی سورۃ پڑھی اور اس میں یہ بھی پڑھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دین صرف خالص اسلام ہے نہ یہودیت ۔ نہ نصرانیت اور نہ مجوسیت۔ پس جو اچھا کام کرے اس کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ اور اگر بنی آدم (انسان) کے لیے ایک وادی مال و دولت سے بھری ہوتی تو ضرور وہ ایک دوسری وادی چاہتا۔ اور اگر اس کو دوسری وادی بھی مل جاتی تو وہ تیسری کی تلاش کرتا اور انسان کے پیٹ کو سوائے مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ اور خدا تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اور یہ حدیث صحیح ہے۔"

اب اس حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْحَنِيْفِيَّةُ الْمُسْلِمَةُ الخ کو قرآن مجید لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا والی سورۃ کی آیات قرار دیا ہے ذرا کوئی مولوی صاحب لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا والی سورۃ میں تو کجا سارے قرآن میں سے کسی جگہ سے نکال کر دکھائیں۔

نوٹ ۱۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ آیات "منسوخ ہو گئی ہیں۔ کیونکہ یہ بات کہ خدا کے نزدیک دین حنفیۃ المسلمہ ہے اور یہ کہ انسان بڑا حریص ہے۔ یہ سب اخبار ہیں نہ کہ احکام۔ اور اس پر سب غیر احمدی علماء کا اتفاق ہے کہ اخبار میں نسخ جائز نہیں۔

۲۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اب خدا کے نزدیک دین "حنفیۃ المسلمہ" نہیں بلکہ یہودیت اور نصرانیت ہو گیا ہے؟

۳۔ ان آیات کی ناسخ کونسی آیت ہے جس کی وجہ سے یہ آیات منسوخ ہو گئی ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ حدیث مذکورہ بالا میں لفظ "قَرَءَ فِيْهَا" ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ میں یہ عبارت پڑھی تھی اس کو سورۃ کی تفسیر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ورنہ "قَالَ فِيْهَا" کہنا چاہیئے تھا۔

۴۔ علامہ سعد الدین تفتازانی۔ ملا خسرو، ملا عبد الحکیم ان تینوں نے لکھا ہے کہ حدیث تَكْثُرُ لَكُمُ الْاَحَادِيْثُ بَعْدِيْ بخاری میں ہے۔ حالانکہ یہ حدیث موجودہ بخاری میں نہیں ہے۔

(توضیح شرح تلویح جلد ۱ صفحہ ۳۶۱)

اسی طرح سے حدیث خَيْرُ السُّوْدَانِ ثَلَاثَةٌ لُقْمَانُ وَبَلَالٌ وَمَهْجَعٌ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ صَحِيْحِهٖ ۔ عَنْ وَاثِلَةَ ابْنِ الْاَسْقَعِ بِهٖ مَرْفُوْعًا كَذَا ذَكَرَهُ ابْنُ الرَّبِيْعِ لٰكِنْ قَوْلُ الْبُخَارِيِّ سَهْوٌ قَلَمٍ اَمَّا مِنَ النَّاقِلِ اَوْ مِنَ الْمُصَنِّفِ فَاِنَّ الْحَدِيْثَ لَيْسَ فِي الْبُخَارِيِّ"

(موضوعات کبیر از مولانا علی القاری ۔ صفحہ ۴۰ طبع ثانی ۱۳۴۶ھ مطبع مجتبائی دہلی)

کہ حدیث سوڈان کے بہترین آدمی تین ہیں یعنی (۱) لقمان (۲) بلال (۳) مہجع جو آنحضرت صلعم کے غلام

تھے۔ یہ حدیث بخاری میں واثلہ بن الاسقعؓ سے مرفوعاً مروی ہے۔ حضرت ملّا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ علامہ ابن ربیع کا یہ کہنا کہ یہ حدیث بخاری میں ہے یہ یا تو مصنّف کا سہو قلم ہے اور یا کاتب کا۔ کیونکہ یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے۔

وہ مولوی جو "هٰذَا خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِيُّ" (ابن ماجہ جلد ۲۔ کتاب الفتن باب خروج المہدی مطبوعہ صفحہ ۱۳۶۷) والی حدیث کے بخاری میں نہ ملنے پر حضرت مسیح موعودؑ پر کاذب ہونے کا الزام لگاتے ہیں کیا وہ اپنے علامہ سعد الدین تفتازانی۔ ملّا و علامہ خسرو۔ ملا عبد الحکیم اور علامہ ابن الربیع کو بھی کاذب کہینگے؟

۲۔ امام بیہقیؒ کی کتاب "الاسماء والصفات" میں لکھا ہے کہ كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ مِنَ السَّمَآءِ وَ اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ رواہ البخاری کہ بخاری میں ہے کہ كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ...... مِنَ السَّمَآءِ۔ حالانکہ قطعاً بخاری میں مِنَ السَّمَآءِ کا لفظ نہیں۔

(وَ هٰذَا خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِيُّ) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب شہادۃ القرآن صفحہ ۴۱ ایڈیشن اول میں جو یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری میں ہے۔ اس کے متعلق بھی ہم وہی جواب دیتے ہیں جو حضرت ملا علی قاریؒ نے امام ابن الربیع کی طرف سے دیا تھا۔ وَلٰكِنْ قَوْلُ الْبُخَارِيِّ سَهْوٌ قَلَمٍ اَمَّا مِنَ النَّاقِلِ اَوْ مِنَ الْمُصَنِّفِ" (موضوعات کبیر صفحہ ۱۳۵) کہ یہ قول کہ یہ حدیث بخاری میں ہے یا تو سہو کتابت ہے یا سبقت قلم مصنّف۔ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام میں صاف طور پر فرما دیا ہے:۔

"اور مَیں کہتا ہوں کہ مہدی کی خبریں ضعف سے خالی نہیں ہیں اسی وجہ سے امامین حدیث (بخاری و مسلم۔ خادمؔ) نے انکو نہیں لیا۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۵۱۸ ایڈیشن اول حصہ دوم)

گویا بخاری و مسلم میں مہدی کے متعلق احادیث نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ "هٰذَا خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِيُّ" (آسمان سے آواز آنا کہ یہ خدا کا خلیفہ مہدی ہے) بہر حال مہدی کے متعلق ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے صاف بیان کے مطابق یہ حدیث بخاری میں نہیں۔ ہاں یہ حدیث اسی طرح صحیح ہے جس طرح بخاری کی دوسری احادیث کیونکہ كَذَا ذَكَرَهُ السُّيُوْطِيُّ وَفِي الزَّوَائِدِ: هٰذَا اِسْنَادٌ صَحِيْحٌ۔ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ۔ وَ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ وَقَالَ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ" (ابن ماجہ کتاب الفتن باب خروج المہدی جلد ۲ صفحہ ۲۶۹ حاشیہ مطبوعہ مصر) کہ حدیث "هٰذَا خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِيُّ" کو امام سیوطیؒ نے بھی ذکر کیا ہے اور زوائد میں ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اس کو امام حاکمؒ نے مستدرک کتاب التواریخ باب تذکرۃ الانبیاء هبوط عیسیٰ و اشاعۃ الاسلام میں درج کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق بھی صحیح ہے نیز یہ حدیث ابونعیم اور تلخیص المتشابہ و حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۶ پر درج ہے۔

بھلا تم لوگ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جھوٹ بولنے کا الزام لگا سکتے ہو۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کو تم بھی نبی مانتے ہو اور جنکے متعلق قرآن مجید میں ہے صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (سورۃ مریم: ۴۲) کہ وہ سچ بولنے والے نبی تھے تم انکے متعلق بھی یہ کہتے اور مانتے ہو کہ انہوں نے تین جھوٹ بولے۔

بخاری میں ہے:۔ "عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَکْذِبْ اِبْرَاھِیْمُ اِلَّا ثَلَاثًا ...... عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ لَمْ یَکْذِبْ اِبْرَاھِیْمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِلَّا ثَلَاثَ کَذِبَاتٍ۔" (بخاری کتاب بدء الخلق باب قول اللہ تعالیٰ: واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا۔ جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ مطبوعہ مطبع الہیہ ومشکوٰۃ مطبع نظامی صفحہ ۴۲۱ باب بدء الخلق وذکر الانبیاء علیہم السلام پہلی فصل نیز مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ کتاب الفضائل باب فضل ابراہیم خلیل اللہ مطبوعہ مطبعۃ العامرہ) کہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہ بولا مگر تین جھوٹ۔

۲۔ صحیح ترمذی میں ہے:۔ "عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَکْذِبْ اِبْرَاھِیْمُ فِیْ شَیْءٍ قَطُّ اِلَّا فِیْ ثَلَاثٍ قَوْلُہٗ اِنِّیْ سَقِیْمٌ وَلَمْ یَکُنْ سَقِیْمًا وَقَوْلُہٗ لِسَارَۃَ اُخْتِیْ وَقَوْلُہٗ بَلْ فَعَلَہٗ کَبِیْرُھُمْ ..... ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔" (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۴۶ مجتبائی وصفحہ ۱۶۳ مطبع احمدی)

کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کبھی کسی چیز میں جھوٹ نہ بولا۔ مگر صرف تین موقعوں پر۔ ان کا کہنا کہ میں بیمار ہوں۔ حالانکہ وہ بیمار نہ تھے۔ پھر ان کا کہنا کہ یہ بُت اُن کے بڑے بُت نے توڑے ہیں۔ اور ان کا اپنی بیوی سارہ کو کہنا کہ یہ میری بہن ہے ...... یہ حدیث صحیح ہے۔

۳۔ بخاری میں ہے کہ قیامت کے دن جب سخت گھبراہٹ طاری ہوگی اور لوگ بھاگے بھاگے سب انبیاء کے پاس جائیں گے کہ وہ اُن کی خدا تعالیٰ کے حضور شفاعت کریں۔ تو سب انکار کردیں گے جب وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو "فَیَقُوْلُ لَھُمْ اِنَّ رَبِّیْ قَدْ غَضِبَ الْیَوْمَ غَضَبًا لَمْ یَغْضَبْ قَبْلَہٗ مِثْلَہٗ وَلَنْ یَغْضَبَ بَعْدَہٗ مِثْلَہٗ وَاِنِّیْ قَدْ کُنْتُ کَذَبْتُ ثَلَاثَ کَذِبَاتٍ فَذَکَرَھُنَّ اَبُوْحَیَّانَ فِی الْحَدِیْثِ نَفْسِیْ نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْھَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ۔"

(بخاری کتاب التفسیر سورۃ بنی اسرائیل باب ذریۃ من حملنا مع نوح (سورۃ مریم: ۵۸) جلد ۳ صفحہ ۹۳ مصری)

حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو جواب دینگے کہ میرا رب آج سخت غصہ میں ہے کہ اس سے قبل کبھی اتنا غضبناک نہ ہوا تھا اور نہ آج کے بعد کبھی ایسا غضبناک ہوگا اور میں نے تین جھوٹ بولے تھے (ابوحیان نے ایک حدیث میں ان تینوں جھوٹوں کی تفصیل دی ہے) پس مجھے تو اپنے نفس کی فکر ہے۔ تم میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ۔

جس نبی کو قرآن کریم سچا کہتا ہے۔ تم اس کے متعلق کہتے ہو کہ اُس نے نعوذ باللہ تین جھوٹ بولے۔ گویا تمہارے نزدیک جھوٹ بولنا معیار صداقت ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اگر تم اعتراض کرو۔ تو تم معذور ہو۔

مجھ کو کیا تم سے گلہ ہو کہ مرے دشمن ہو
جب یونہی کرتے چلے آئے ہو تم پیروں سے

۲- قرآن وحدیث میں طاعون

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ قرآن وحدیث میں طاعون کی پیشگوئی ہے۔ یہ جھوٹ ہے؟
الجواب:- قرآن مجید میں ہے:- إِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ (النمل: ۸۳) کہ جب ان پر اتمام حجت ہو جائیگی تو ہم اُن کے لئے زمین سے ایک کیڑا نکالیں گے جو ان کو کاٹے گا۔ کیونکہ لوگ خدا کی آیات پر یقین نہیں کرتے تھے۔ تُكَلِّمُهُمْ کے معنے کاٹنے کے ہی ہیں۔ جیسا کہ لغت کی کتاب منجد میں ہے۔
كَلَّمَهُ تَكْلِيمًا: جَرَحَهُ یعنی اُس نے اُس کو زخم لگایا۔
كَلَمَ..... كَلْمًا کے معنے بھی زخم لگانے کے ہیں۔

۲- بخاری میں ہے:- "عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ كَلْمٍ يُكْلَمُهُ الْمُسْلِمُ فِي سَبِيلِ اللهِ يَكُونُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهَا" (بخاری کتاب الوضوء باب مَا يَقَعُ مِنَ النجاسات جلد ۱ صفحہ ۳۴ مصری) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک زخم جو کسی مسلم کو خدا کی راہ میں لگے قیامت کے دن اپنی اسی حالت میں ہوگا۔
چنانچہ طاعون کا کیڑا انسانوں کو کاٹتا ہے جس سے طاعون ہوتی ہے۔
حدیث صحیح مسلم میں ہے:- "فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللهِ عِيسَى وَأَصْحَابُهُ فَيُرْسِلُ اللهُ عَلَيْهِمُ النَّغَفَ فِي رِقَابِهِمْ فَيُصْبِحُونَ فَرْسَى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ" (مسلم جلد ۲ کتاب الفتن صفحہ ۲۴۷ مصری باب ذکر صفت الدجال وَمَا مَعَهُ (مسلم شرح نووی جلد ۲ صفحہ ۴۰۱ و صفحہ ۴۰۲ منہ) پس خدا کا نبی مسیح موعودؑ اور اُس کے صحابی متوجہ ہونگے اور خدا تعالیٰ اُن کے مخالفوں کی گردنوں میں ایک پھوڑا (طاعون) ظاہر کریگا۔ پس وہ صبح کو ایک آدمی کی موت کی طرح ہو جائیں گے۔ (نغف کے معنے پھوڑا اور طاعون ہے دیکھو عربی ڈکشنری مصنفہ LANE جلد ۸ صفحہ ۲۸۱۹ و ضمیمہ صفحہ ۳۰۳۶)

۳- بحار الانوار میں ہے:- "قُدَّامَ الْقَائِمِ مَوْتَانِ مَوْتٌ أَحْمَرُ وَمَوْتٌ أَبْيَضُ الْمَوْتُ الْأَحْمَرُ السَّيْفُ وَالْمَوْتُ الْأَبْيَضُ الطَّاعُونُ" (بحار الانوار مصنفہ باقر محمد تقی محمد ایران جلد ۱۳ صفحہ ۱۵۶) کہ امام مہدیؑ کی علامات میں ہے کہ اس کے سامنے دو قسم کی موتیں ہونگی۔ پہلی سُرخ موت اور دوسری سفید موت۔ پس سُرخ موت تو تلوار (لڑائی) ہے اور سفید موت طاعون ہے۔

۴- مندرجہ بالا جواب میں جو ہم نے قرآن مجید کی آیت أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ (النمل: ۸۳) کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ اُس زمانہ میں ایک کیڑا نکلے گا جو اُن کو کاٹے گا۔ اس کی تائید بحار الانوار کے مندرجہ ذیل حوالے سے بھی ہوتی ہے۔ "ثُمَّ قَالَ (ابو عبد الله امام حسینؑ) وَقَرَءَ تُكَلِّمُهُمْ مِنَ الْكَلْمِ وَهُوَ الْجَرْحُ وَالْمُرَادُ بِهِ الْوَسْمُ یعنی امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی مندرجہ بالا دابۃ الارض والی آیت کے متعلق حضرت امام حسینؑ نے فرمایا کہ اس آیت میں تُكَلِّمُهُمْ سے مراد یہ ہے کہ وہ کیڑا اُن کو

کاٹے گا اور زخم پہنچائے گا۔" (بحارالانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۳۲ و نیز دیکھو اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۹۵)

خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتب میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث کا حوالہ دیا ہے۔ چنانچہ حضورؑ فرماتے ہیں:-

"خدا تعالیٰ کی کتابوں میں بہت تصریح سے بیان کیا گیا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں ضرور طاعون پڑیگی اور اس مری کا انجیل میں بھی ذکر ہے اور قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ اِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا (بنی اسرائیل: ۵۹) یعنی کوئی بستی ایسی نہیں ہوگی جس کو ہم کچھ مدت پہلے قیامت سے یعنی آخری زمانہ میں جو مسیح موعود کا زمانہ ہے ہلاک نہ کردیں یا عذاب میں مبتلا نہ کریں۔"

(نزول المسیح صفحہ ۱۱۹ پہلا ایڈیشن)

"یہی طاعون ہے اور یہی وہ دابۃ الارض ہے جس کی نسبت قرآن شریف میں وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں ہم اُس کو نکالیں گے اور وہ لوگوں کو اس لیے کاٹے گا کہ وہ ہمارے نشانوں پر ایمان نہیں لاتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ (النمل: ۸۳) اور جب مسیح موعود کے بھیجنے سے حجت ان پر پوری ہو جائیگی۔ تو ہم زمین میں سے ایک جانور نکال کھڑا کریں گے وہ لوگوں کو کاٹے گا اور زخمی کریگا اس لئے کہ لوگ خدا کے نشانوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔"

(دیکھو سورۃ النمل الجزو نمبر ۲۰۔ نزول المسیح صفحہ ۳۸ پہلا ایڈیشن)

"یہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ وہ دابۃ الارض یعنی طاعون کا کیڑا زمین میں سے نکلیگا۔ اس میں یہی بھید ہے کہ تا وہ اس بات کی طرف اشارہ کرے کہ وہ اس وقت نکلے گا کہ جب مسلمان اور اُن کے علماء زمین کی طرف جُھک کر خود دابۃ الارض بن جائیں گے۔ ہم اپنی بعض کتابوں میں یہ لکھ آئے ہیں کہ اُس زمانہ کے ایسے مولوی اور سجادہ نشین جو متقی نہیں ہیں اور زمین کی طرف جھکے ہوتے ہیں۔ یہ دابۃ الارض ہیں۔ اور اب ہم نے اس رسالہ میں یہ لکھا ہے کہ دابۃ الارض طاعون کا کیڑا ہے۔ ان دونوں بیانوں میں کوئی شخص تناقض نہ سمجھے قرآن شریف ذوالمعارف ہے اور کئی وجوہ سے اس کے معنے ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد نہیں۔"

(نزول المسیح صفحہ ۴۳ پہلا ایڈیشن)

"یاد رہے کہ اہل سنت کی صحیح مسلم اور دوسری کتابوں اور شیعہ کی کتاب اکمال الدین مصنفہ ابی جعفر محمد بن علی ۱۸۱ھ نجف میں بتصریح لکھا ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں طاعون پڑیگی بلکہ اکمال الدین جو شیعہ کی بہت معتبر کتاب ہے اس کے صفحہ ۳۴۸ میں لکھا ہے کہ یہ بھی اُس کے ظہور کی ایک نشانی ہے کہ قبل اس کے کہ قائم ہو یعنی عام طور پر قبول کیا جائے۔ دُنیا میں سخت طاعون پڑے گی۔"

(نزول المسیح صفحہ ۱۸، صفحہ ۱۹ ایڈیشن اول)

۴۔ تورات وانجیل میں طاعون کی پیشگوئی

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ تورات اور انجیل (زکریا ۱۴/۱۲ پرانا عہد نامہ) میں طاعون کی پیشگوئی ہے یہ جھوٹ ہے۔

جواب :۔ جھوٹ نہیں۔ بلکہ تمہاری اپنی بدقسمتی ہے کہ بے وجہ نبی کے منکر ہو گئے ہو۔ انجیل متی کا حوالہ حضرتؑ نے دیا ہے اور یہ حوالہ درست ہے۔ انجیل مطبوعہ ۱۸۵۷ء میں متی ۲۴/۸ پر مذکور ہے کہ مسیح کی ایک نشانی مری کا پڑنا بھی ہے، لیکن بعد میں عیسائیوں نے اس کو متی ۲۴/۸ سے نکال دیا ہے یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (نساء : ۴۶) لیکن اگر تم نے مزید تسلی کرنی ہو تو انجیل لوقا ۲۱/۱۰ پر جو ۱۹۲۸ء میں چھپی ہے اس میں بھی موجود ہے۔ جابجا کال اور مری پڑے گی۔" (تفصیل دیکھو زیر عنوان "مسیح کی آمد ثانی کی علامات" پاکٹ بک ہذا)

تورات :۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تورات میں بھی طاعون کی پیشگوئی کا ذکر کیا ہے (کشتی نوح صفحہ پہلا ایڈیشن ۵ ر اکتوبر ۱۹۰۲ء) چنانچہ اس کے لئے زکریا ۱۴/۱۲ دیکھو اور انگریزی بائیبل مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۸۸۸ء صفحہ ۱۰۰۰ میں تو لفظ پلیگ (PLAGUE) بھی موجود ہے۔

"And this shall be the plague where with the Lord will smite all the people."

(زکریا ۱۴/۱۲)

یعنی یہ پلیگ ہوگی جس سے خدا تعالیٰ خدا کے گھر کے خلاف لڑائی کرنے والوں کو ہلاک کریگا۔

نوٹ :۔ (۱) بائیبل کے اس حوالہ میں جو لفظ "پلیگ" استعمال ہوا ہے اس کا ترجمہ طاعون ہی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو انگریزی عربی ڈکشنری موسومہ بہ "القاموس العصری انکلیزی عربی مؤلفہ الیاس انطون صفحہ ۴۸۹ جہاں لکھا ہے۔ طاعون PLAGUE یعنی پلیگ کے معنے طاعون ہے۔

۲۔ اسی طرح عربی سے انگریزی اور فارسی سے انگریزی ڈکشنریوں میں لفظ "طاعون" کا ترجمہ پلیگ اور Pestilences لکھا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ لفظ پلیگ تو تورات زکریا ۱۴/۱۲ میں آتا ہے اور لفظ Pestilences مسیح کی آمد ثانی کی علامات میں لوقا ۲۱/۱۱ میں ہے۔

(دیکھو "مسیح کی آمد ثانی کی علامات" پاکٹ بک ہذا)

نیز حضرت اقدسؑ نے متی ۲۴/۸ کا حوالہ دیا ہے جو انگریزی انجیل متی ۲۴/۸ میں اب بھی موجود ہے اور جیسا کہ ثابت ہوا ہر دو لفظوں کا ترجمہ طاعون ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو بائیبل کا حوالہ درست دیا ہے۔ ذرا لگتے ہاتھ "اِسْمُهٗۤ اَحْمَدُ" (سورۃ الصف : ۷) اور اَلنَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ۔ (الاعراف : ۱۵۸) کے مطابق تورات اور انجیل سے "احمد" کا نام اور ایک "اُمّی نبی" کی پیشگوئی نکال دینا تا کہ تمہیں معلوم ہو کہ انجیل و تورات محرّف ہے اگر کوئی حوالہ نہ ملے تو یہ مصنف کی غلطی نہیں۔ بلکہ عیسائیوں کی ہشیاری کا نتیجہ ہے کہ وہ ہر دس سال کے بعد

انجیل کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ (دیکھو مضمون "تحریف بائیبل" پاکٹ بک ہذا)

۵۔ غلام دستگیر قصوری کا مُباہلہ

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ غلام دستگیر قصوری نے بددُعا کی تھی۔ یہ جھوٹ ہے۔ اُس کے ساتھ کوئی مباہلہ نہ ہوا تھا۔

الجواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انجام آتھم صـ پر جن علماء کو مُباہلہ کے لیے مقابل پر بُلایا ہے اور اپنی طرف سے اُن کے لیے بدُدعا کر دی ہے اُن میں مولوی غلام دستگیر کا نام بھی ہے (انجام آتھم صـ ایڈیشن اوّل) اس کے بالمقابل ان میں سے جو شخص بھی بددُعا کریگا۔ اس کا مُباہلہ حضرتؑ کے ساتھ متحقق ہو جاتے گا چنانچہ مولوی غلام دستگیر قصوری نے بددُعا کی۔ "اَللّٰھُمَّ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا مَالِکَ الْمُلْکِ جیسا کہ تُو نے ایک عالم ربانی حضرت محمد طاہر مؤلف مجمع بحار الانوار کی دُعا اور سعی سے اُس مہدی کاذب اور جعلی مسیح کا بیڑا غرق کیا (جو ان کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا) ویسا ہی دُعا اور التجا اس فقیر قصوری کی ہے۔ جو سچے دل سے تیرے دین متین کی تائید میں حتی الوسع ساعی ہے کہ تُو مرزا قادیانی اور اُس کے حواریوں کو توبۃ النصوح کی توفیق عطا فرما۔ اور اگر یہ مقدر نہیں تو اُن کو مورد اِس آیت قرآنی کا بنا "فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" (الانعام ۴۶) اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَبِالْاِجَابَۃِ جَدِیْرٌ تَبَّالَہٗ وَلِاَتْبَاعِہٖ"

(فتح رحمانی بہ دفع کید کادیانی لدھیانہ طبع احمدی ۱۳۱۵ھ مؤلفہ غلام دستگیر قصوری صـ۲۴ و صـ۲۸ و نیز حقیقۃ الوحی صـ۳۳۱ پہلا ایڈیشن)

۶۔ مولوی محمد اسمٰعیل علیگڑھی کی بددُعا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی صـ۳۳۰ پہلا ایڈیشن حاشیہ پر لکھا ہے:۔
"مولوی اسمٰعیل نے اپنے ایک رسالہ میں میری موت کے لیے بددُعا کی تھی۔ پھر بعد اس بددُعا کے جلد مر گیا اور اس کی بددُعا اسی پر پڑ گئی۔"

جواب:۔ تم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کیوں یہ حوالہ طلب نہ کیا۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تم کو اصل بات کا علم ہے۔ بات یہ تھی کہ مولوی اسمٰعیل علیگڑھی نے ایک کتاب لکھی جس میں یہ بددُعا تھی۔ ابھی وہ کتاب چھپ رہی تھی کہ علیگڑھی مر گیا۔ مولویوں نے اس کی کتاب میں سے وہ سب بددُعائیں نکال ڈالیں۔ تا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت پر گواہ نہ بن جائے۔ وہ کتاب جو ابھی زیر طبع تھی مولوی عبداللہ صاحب سنوری نے دیکھی تھی اور انہوں نے اس کے متعلق شہادت بھی دی تھی کہ اس کتاب کا سائز "فتح اسلام" (مؤلفہ حضرت مسیح موعودؑ) کا سائز تھا۔ اگر اُس نے کوئی ایسی بددُعا نہ کی تھی تو تم نے حضرت مسیح موعودؑ سے کیوں حوالہ نہ مانگا۔ تمہاری تحریف کی تو یہ حالت ہے کہ شرح فقہ اکبر مطبوعہ مصر کے صـ۹۹ پر "لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا" لکھ دیا ہے تا کہ کسی طرح عیسٰی علیہ السلام کی وفات ثابت نہ ہو۔ ؎

کچھ تو لوگو خُدا سے شرماؤ

۷۔حدیث سو سال کے بعد قیامت آجائیگی اِسکا حوالہ دو

جواب :۔ یہ حدیث متعدد کُتب حدیث میں ہے ۔(۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ لَمَّا رَجَعْنَا مِنْ تَبُوْكٍ سَاَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلْعَمْ فَقَالَ مَتَی السَّاعَةُ فَقَالَ لَا یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ مِائَةُ سَنَةٍ وَعَلٰی ظَهْرِ الْاَرْضِ نَفْسٌ مَنْفُوْسَةٌ الْیَوْمَ ۔ (معجم صغیر طبرانی ص۱۵ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی)۔
ابو سعیدؓ کہتے ہیں۔ کہ جب ہم جنگ تبوک سے واپس آئے تو ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کب ہوگی ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام بنی آدم پر سو سال نہ گذرے گا۔ مگر آج کے زندوں میں سے ایک بھی روئے زمین پر نہ ہوگا۔ یاد رہے کہ سائل کا سوال قیامت کے متعلق ہے۔

(۲) فَقَالَ اَرَاَیْتَکُمْ لَیْلَتَکُمْ هٰذِهٖ عَلٰی رَاْسِ مِائَةِ سَنَةٍ مِّنْهَا لَا یَبْقٰی مِمَّنْ هُوَ عَلٰی ظَهْرِ الْاَرْضِ اَحَدٌ ۔ (ترمذی کتاب الفتن جلد ۲ ص۳۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کی اس رات سے سو سال نہ گذرے گا کہ روئے زمین کے موجودہ زندوں میں سے کوئی باقی نہ رہے گا۔

(۳) اس حدیث پر یہ حاشیہ لکھا ہے ۔ اِنَّ الْغَالِبَ عَلٰی اَعْمَارِهِمْ اَنْ لَّا تَتَجَاوَزَ ذٰلِكَ الْاَمْرُ الَّذِیْ اَشَارَ اِلَیْهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَیَکُوْنُ قِیَامَةُ اَهْلِ ذٰلِكَ الْعَصْرِ قَدْ قَامَتْ ۔ (ترمذی ابواب الفتن باب حاشیہ جلد ۲ ص۳۹ مجتبائی)
کہ اُن کی عمر کے لئے غالب امر یہی تھا کہ وہ اس مدت سے جس کی تعیین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی تجاوز نہ کریں۔ پس اس زمانہ کے تمام لوگوں پر قیامت آگئی۔

(۴) صحیح مسلم میں ہے۔ "مَامِنْ نَفْسٍ مَنْفُوْسَةٍ اَلْیَوْمَ یَاْتِیْ عَلَیْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَهِیَ حَیَّةٌ" (کنز العمال جلد ۷ ص۱۷۰ و مسلم کتاب الفتن باب قرب الساعۃ) یعنی سو سال نہیں گذرے گا کہ آج کے زندوں میں سے کوئی بھی زندہ جان باقی نہ ہوگی۔

(۵) مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتا ہے :۔ "آنحضرت فداہ امی وابی نے فوت ہوتے وقت فرمایا تھا کہ جو جاندار زمین پر ہیں۔ آج سے سو سال تک کوئی بھی زندہ نہ رہے گا۔" (تفسیر ثنائی جلد ۲ ص۱۰۵)

۸۔"دجال" یا "رجال"

اعتراض :۔ مرزا صاحب نے تحفہ گولڑویہ ص۴۳ طبع اول میں یَخْرُجُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالٌ یَخْتَلُوْنَ الدُّنْیَا بِالدِّیْنِ کو حدیث قرار دیا ہے اور یہ "دَجَّال" نہیں۔ بلکہ "رجال" ر کے ساتھ ہے۔

الجواب ا۔ یہ "دَجَّال" دال کے ساتھ ہی ہے۔ چنانچہ کنز العمال جلد ۷ ص۱۷۴ مطبوعہ دائرہ المعارف نظامیہ حیدر آباد دکن میں "دال" ہی کے ساتھ ہے۔

۲۔ ...ی نسخہ میں "دال" ہی کے ساتھ ہے۔ چنانچہ مولنٰیا مخدوم بیگ صاحب نائب شیخ الحدیث لکھتے

ہیں ، (کنز العمال مطبوعہ دائرۃ المعارف جلد سابع صفحہ) یَخْرُجُ فِی اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُ یَخْتِلُوْنَ الدُّنْیَا بِالدِّیْنِ الخ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رضی قلمی نسخہ میں دجّال بالدال صاف طور پر لکھا ہے۔

(مخدوم بیگ عفی عنہ مدرس مدرسہ نظامیہ منقول از تجلیات رحمانیہ صفحہ ۹۲)

۹۔ قرآنی پیشگوئی دربارہ تکفیر مسیح موعودؑ

بعض غیر احمدی مولوی یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریر فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں یہ پیشگوئی ہے کہ جب مسیح موعود آئے گا تو اُس پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا۔ یہ جھوٹ ہے۔

الجواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جن آیات قرآنی سے استنباط فرما کر یہ تحریر فرمایا ہے کہ مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ لگے گا حضورؑ نے اپنی تحریرات میں اُن آیات کا حوالہ بھی دیا ہے۔

۱۔ "قرآن نے بہت سی امثال بیان کرکے ہمارے ذہن نشین کر دیا ہے کہ وضع عالم دَوری ہے اور نیکوں اور بدوں کی جماعتیں ہمیشہ بروزی طور پر دُنیا میں آتی رہتی ہیں۔ وہ یہودی جو حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت میں موجود تھے۔ خدا نے دُعا غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ سکھلا کر اشارہ فرمادیا کہ وہ بروزی طور پر اس اُمّت میں بھی آنے والے ہیں۔ تا بروزی طور پر وہ بھی اس مسیح موعود کو ایذاء دیں جو اس امت میں بروزی طور پر آنے والا ہے۔" (تریاق القلوب تقطیع کلاں صفحہ ۱۵۹)

۲۔ "وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (سورۃ النور: ۵۶)...... پس اس آیت سے سمجھا جاتا ہے کہ مسیح موعود کی بھی تکفیر ہوگی۔ کیونکہ وہ خلافت کے اِس آخری نکتہ پر ہے۔"

(تحفہ گولڑویہ حاشیہ صفحہ ۶۲ طبع اوّل)

۳۔ نیز دیکھو تحفہ گولڑویہ صفحہ ۵۷، ۱۰۳، ۱۳۶ طبع اوّل

۴۔ مفصل و مزید بحث دیکھو پاکٹ بک صفحہ ۔۔۔ پر۔

۱۰۔ مفتری جلد پکڑا جاتا ہے

اعتراض:۔ حضرت نے لکھا ہے:۔ "دیکھو خدا تعالیٰ قرآن کریم میں صاف فرماتا ہے کہ جو میرے پر افتراء کرے۔ اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اور میں جلد مفتری کو پکڑتا ہوں۔" (نشان آسمانی صفحہ ۳۸)...... "حالانکہ قرآن پاک میں کہیں نہیں لکھا کہ میں مفتری کو جلد ہلاک کرتا ہوں۔ بلکہ اس کے اُلٹ ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا" (یونس: ۷۰، ۷۱)

(محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۱۵۱ و صفحہ ۱۶۳ مطبوعہ یکم مارچ ۱۹۳۵ء)

الجواب:۔ (۱) افتراء علی اللہ کرنے والے کو پکڑنے کے متعلق الٰہی قانون پر ہم نے مفصل بحث صداقت حضرت مسیح موعودؑ کی دوسری دلیل کے ضمن میں کر دی ہے (دیکھو پاکٹ بک ہذا صفحہ ۳۳)

m0527 (1446x2424x256 jpeg)

(۲) مگر اس جگہ جو آیت تم نے پیش کی ہے اس کے مفہوم کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے۔
مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا سے مراد معترض نے غالباً "لمبی مہلت" لی ہے تبھی تو اس کو "جلد پکڑے جانے کے" اُلٹ "قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ تم خود اپنی محمدیہ پاکٹ بک صـ۲۴۲ و صـ۲۴۷ مطبوعہ ۱۹۳۵ء پر اپنے ہاتھ کاٹ چکے ہو۔ جہاں پر قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت نقل کی ہے :-
"إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ - مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ" (النحل: ۱۱۷-۱۱۸) اور خود ہی یہ ترجمہ بھی کیا ہے۔ "تحقیق مفتری نجات نہیں پائیں گے انہیں نفع تھوڑا ہے۔ عذاب دردناک"۔ گویا پہلی آیت میں جو صرف "مَتَاعٌ" کا لفظ تھا جس سے تم نے مغالطہ دینا چاہا کہ گویا مفتری کو "لمبی مہلت" ملتی ہے۔ اس آیت نے صاف کر دیا کہ "مَتَاعٌ قَلِيلٌ" کہ لمبی مہلت نہیں بلکہ "تھوڑی مہلت" ملتی ہے۔

ہاں تمہارا یہ کہنا کہ ۲۳ برس کی مہلت کو "جلد" (محمدیہ پاکٹ بک صـ۲۴۹) کیونکر قرار دیا جاتا ہے اور کیا ۲۳ سال کا "جلد" ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ۲۳ برس تو زیادہ سے زیادہ مہلت ہے جس تک کسی صورت میں بھی کوئی مفتری نہیں پہنچ سکتا۔ اور سچے کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے خواہ سو سال جیئے۔ مگر ہاں بعض دفعہ ۲۳ سال کیا ۱۴۰۰ سال کا "جلد" ہوا کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو :-

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ (ابن ماجہ کتاب الفتن باب اشراط الساعة مصری جلد دوم حدیث عـ۴۰۴۰) "کہ میں اور قیامت اس طرح ہیں جس طرح دو جُڑی ہوئی اُنگلیاں۔ مگر ۱۳۷۲ سال گذر گئے ابھی تک وہ "جلد" ختم نہیں ہوا۔

۲۔ ہاں سُنو! قرآن مجید میں ہے :- اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (القمر: ۲) کہ قیامت "قریب" آگئی اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ۱۴۰۰ سال گذرنے کو آئے مگر ابھی تک قیامت نہ آئی۔ فرمایئے یہ "جلد" کتنا طویل ہو گیا۔

۱۱۔ انبیاء گذشتہ کے کشوف

حضرت مرزا صاحب نے اربعین ۲ صـ۲۳ طبع اول میں لکھا ہے کہ "اسلام کے موجودہ ضعف اور دشمنوں کے متواتر حملوں نے ضرورت ثابت کی۔ اور اولیاء گذشتہ کے کشوف نے اس بات پر قطعی مہر لگا دی کہ وہ چودہویں صدی کے سر پر پیدا ہوگا"۔ کسی نبی کے کشف کا حوالہ دو؟

جواب :- دراصل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "اربعین ۲" یا کسی دوسری کتاب میں اس ضمن میں "انبیاء گذشتہ" کا لفظ نہیں لکھا بلکہ "اولیاء گذشتہ" لکھا ہے۔ چنانچہ اصل اربعین (جو حضرت اقدس کے زمانہ میں چھپی ہے) اس کے دونوں ایڈیشنوں میں علی الترتیب صـ۲۳ و صـ۲۵ پر "اولیاء گذشتہ" ہی کا لفظ ہے۔ ہاں اربعین ۲ کے ایک نئے ایڈیشن میں جو "بک ڈپو" نے شائع کیا ہے کاتب کی غلطی سے لفظ "اولیاء" کی بجائے "انبیاء" لکھا گیا ہے۔ وہ حجت نہیں۔ تمہیں شرم آنی چاہیئے

کہ محض کتابت کی غلطیوں کی بناء پر مخلوق خدا کو دھوکا دیکر حق کے راستہ میں روکاوٹیں پیدا کرتے ہو۔ حالانکہ تم کو بارہا مناظرات میں اربعین ۲ ایڈیشن اوّل علیحدہ صـ ۲۳ اور مجموعہ ۱ و ۲ صـ ۲۵ سے لفظ "اولیاء" دکھایا بھی جا چکا ہے۔

۱۲۔ انبیاء گذشتہ کی پیشگوئی

حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ہر نبی نے مسیح موعود کی آمد کی خبر دی ہے۔ اسکا حوالہ دو؟

الجواب ۱۔ بخاری شریف میں ہے:۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بُعِثَ نَبِیٌّ اِلَّا اَنْذَرَ اُمَّتَہُ الْاَعْوَرَ الْکَذَّابَ (بخاری کتاب الفتن باب ذکر الدجال جلد ۲ صـ ۱۳۳ مطبع الٰہیہ مصر) کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے اپنی اُمّت کو دجّال سے نہ ڈرایا ہو۔"

پس جہاں تمام انبیاء دجّال کا ذکر کرتے رہے ضروری ہے کہ اُس کے قاتل مسیح موعود کا بھی اس کے ساتھ ہی ذکر کرتے رہے ہوں۔

۲۔ ذرا مہربانی کرکے پہلے تمام نبیوں کی کتابوں سے "کانے دجّال" کا ذکر نکال کر دکھادو۔ ہم وہیں سے مسیح موعود کی آمد کی پیشگوئی بھی نکال دیں گے۔

۳۔ ہم نے ذکر کیا ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ انبیاء گذشتہ اپنی اُمتوں کے سامنے دجّال کی آمد کا ذکر تو کریں مگر اس کے قاتل مسیح موعود کا ذکر نہ کریں۔ اس کی تائید دلائل النبوت کے مندرجہ ذیل حوالہ سے ہوتی ہے۔

"عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ـــــ قَالَ مُوْسٰی یَا رَبِّ اِنِّیْ اَجِدُ فِی الْاَلْوَاحِ اُمَّۃً یُؤْتَوْنَ الْعِلْمَ الْاَوَّلَ وَالْاٰخِرَ فَیَقْتُلُوْنَ قُرُوْنَ الضَّلَالَۃِ اَلْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ فَاجْعَلْھَا اُمَّتِیْ قَالَ تِلْکَ اُمَّۃُ اَحْمَدَ"

(دلائل النبوۃ لابی نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی مطبوعہ ۱۳۲۰ھ جلد ۱ صـ ۱۲ نیا ایڈیشن صـ ۲۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے اللہ تعالٰی کے سامنے عرض کی کہ اے اللہ! مَیں نے اپنی الواح میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک ایسی قوم ہوگی جن کو اگلا اور پچھلا سب علم دیا جائیگا۔ اور وہ گمراہی کی طاقتوں یعنی "دجّال" کو قتل کریں گے۔ اے خدا! میری اُمّت کو وہ قوم بنا دے۔ اللہ تعالٰی نے جواب دیا کہ "نہیں" وہ قوم تو احمد کی جماعت ہے۔

اس روایت میں دجّال کے خروج اور مسیح موعود کی بعثت کو علت و معلول اور لازم و ملزوم قرار دیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دجّال کا مقابلہ کرنے والی جماعت "احمد" کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہوگی۔ یعنی "جماعتِ احمدیہ" کہلائے گی۔

÷

۱۲- مکتوبات کا حوالہ

بعض مخالفین کہا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۰ طبع اوّل پر جو حوالہ مکتوبات کا دیا ہے کہ جس پر کثرت سے اُمورِ غیبیہ ظاہر ہوں۔ وہ نبی ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے۔ مکتوبات میں لفظ نبی نہیں بلکہ محدث کا ہے۔

الجواب:- مکتوباتِ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان فارسی ہے مگر حضرت اقدس علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۰ پر اُردو عبارت لکھی ہے۔ پس حضرت اقدس علیہ السلام نے مکتوبات کی اصل عبارت نقل نہیں فرمائی۔ بلکہ مکتوبات کی کسی عبارت کا مفہوم درج فرمایا ہے اور مکتوبات میں ایسی عبارت موجود ہے جس کا مفہوم وہی ہے۔ جو حضرت اقدس علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی میں تحریر فرمایا ہے چنانچہ وہ عبارت درج ذیل کی جاتی ہے:-

"متشابہاتِ قرآنی نیز از ظاہر مصروف اند و بر تاویل محمول قال اللہ تعالیٰ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللهُ یعنی تاویل آں متشابہ را ہیچ کس نمے داند مگر خدائے عزّوجل پس معلوم شد کہ متشابہ نزد خدائے جلّ وعلا نیز محمول بر تاویل ست و از ظاہر مصروف و علمائے راسخین را نیز از علم ایں تاویل نصیبے عطا می فرمائد چنانچہ بر علم غیب کہ مخصوص باوست سبحانہٗ خاص رسل را اطلاع می بخشند آں تاویل را خیال نکنی کہ در رنگِ تاویل "ید" ست بقدرت و تاویل "وجہ" بذات حاشا و کلّا آں تاویل از اسرار است کہ بہ اخص خواص علم آں عطا می فرمائند۔"

(مکتوبات امام ربانیؒ جلد ۱ صفحہ ۴۳۶ مطبع نولکشور مکتوب نمبر ۳۱۰)

یعنی قرآن مجید کے متشابہات بھی ظاہری معنی سے پھر کر محمول بر تاویل ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ اُن کی تاویل سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔ پس معلوم ہوا کہ متشابہات خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک بھی محمول بر تاویل ہیں اور اُن کے ظاہری معنے مراد نہیں اور خدائے تعالیٰ علمائے راسخین کو بھی اس علم کی تاویل سے حصہ عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ اس سے بڑھ کر علمِ غیب جو خدا تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس کی اطلاع صرف رسولوں کو ہی عطا فرماتا ہے۔ اس تاویل کو ویسی نہ سمجھنا چاہیئے۔ جیسی کہ "ہاتھ" سے مراد "قدرت" اور "وجہ" سے مراد "ذاتِ الٰہی" ہے۔ حاشا و کلّا ایسا نہیں۔ بلکہ اس تاویل کا علم تو وہ اپنے خاص الخاص بندوں کو ہی عطا فرماتا ہے۔

اِس عبارت میں حضرت امامِ ربانی مجدد الف ثانیؒ نے بتصریح تحریر فرمایا ہے کہ اسرارِ قرآنی کو اللہ تعالےٰ اپنے الہام سے خواصِ اُمّت پر کھولتا ہے۔ مگر جن کو اپنے مخصوص علمِ غیب سے اطلاع دیتا ہے وہ "رسول" ہوتے ہیں۔ پس تمہارا اعتراض بے محل ہے۔

۱۴۔ تفسیر ثنائی اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت نے حمامۃ البشریٰ ص۴۷ طبع اول میں تفسیر ثنائی (از مولانا ثناء اللہ پانی پتی) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی درایت کمزور تھی۔ حالانکہ تفسیر ثنائی مصنفہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری میں یہ کہیں نہیں ملتا۔

الجواب:- تجاہلِ عارفانہ سے کام نہ لو۔ تفسیر ثنائی سے مراد مولوی ثناء اللہ امرتسری کی نام نہاد تفسیر نہیں۔ بلکہ جناب مولانا ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی مشہور و معروف تفسیر ہے۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام دوسری جگہ معترض کی محولہ کتاب (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۲۳۴ طبع اول) سے کئی سال پہلے تصریح فرما چکے ہیں۔

قَالَ صَاحِبُ التَّفْسِيْرِ الْمَظْهَرِيِّ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ صَحَابِيٌّ جَلِيْلُ الْقَدْرِ وَلٰكِنَّهٗ اَخْطَاَ فِيْ هٰذَا التَّاْوِيْلِ۔ (حمامۃ البشریٰ ص۳۹ طبع اول)

کہ مصنف تفسیر مظہری نے لکھا ہے کہ گو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں لیکن انہوں نے "اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ" والی آیت میں اپنی طرف سے تاویل کرنے میں غلطی کھائی ہے۔

پس حضرت اقدس علیہ السلام نے جس تفسیر کا حوالہ دیا ہے وہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر نہیں بلکہ "تفسیر مظہری" مؤلفہ جناب مولوی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ہے۔ اس تفسیر میں بعینہٖ آیت محولہ "وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ" کے نیچے لکھا ہے:-

"تَاْوِيْلُ الْاٰيَةِ بِاِرْجَاعِ الضَّمِيْرِ الثَّانِيْ اِلٰى عِيْسٰى مَمْنُوْعٌ۔ اِنَّمَا هُوَ زَعْمٌ مِّنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ لَيْسَ ذٰلِكَ فِيْ شَيْءٍ فِي الْاَحَادِيْثِ الْمَرْفُوْعَةِ وَكَيْفَ يَصِحُّ هٰذَا التَّاْوِيْلُ مَعَ اَنَّ كَلِمَةَ "اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ" شَامِلٌ لِّلْمَوْجُوْدِيْنَ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ...... وَلَا وَجْهَ اَنْ يُّرَادَ بِهٖ فَرِيْقٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ يُوْجَدُوْنَ حِيْنَ نُزُوْلِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ"۔ (تفسیر مظہری تفسیر سورۃ النساء زیر آیت و ان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به (النساء: ۱۶۰) یعنی آیت اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ میں قَبْلَ مَوْتِهٖ کی ضمیر کو عیسیٰ علیہ السلام کی طرف پھیرنا ممنوع ہے (حضرت ابوہریرہؓ نے اس سے حضرت عیسیٰؑ مراد لئے ہیں تو) یہ حضرت ابوہریرہؓ کا اپنا زعم ہے جس کی تصدیق کسی حدیث سے نہیں ہوتی اور ان کا یہ خیال درست ہو کیونکر سکتا ہے جبکہ کلمہ "ان من" میں تمام وہ لوگ بھی شامل ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے اور اس بات کی کوئی وجہ نہیں کہ اس سے مراد صرف وہ یہودی لئے جائیں جو حضرت عیسیٰ کے نزول کے وقت موجود ہونگے۔

☆

۱۵۔ حضرت ابوہریرہؓ کا اجتہاد

باقی عبارت محولہ میں حضرت اقدس علیہ السلام نے حضرت ابوہریرہؓ کے اجتہاد کو جو مردود قرار دیا ہے تو یہ درست ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

۱۔ اُصولِ حدیث کی مستند کتاب اصول شاشی علامہ نظام الدین اسحاق بن ابراہیم الشاشی میں ہے:۔

"اَلْقِسْمُ الثَّانِیْ مِنَ الرُّوَاۃِ هُمُ الْمَعْرُوْفُوْنَ بِالْحِفْظِ وَالْعَدَالَةِ دُوْنَ الْاِجْتِهَادِ وَالْفَتْوٰی كَاَبِیْ هُرَیْرَةَ وَاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ۔" (اصول شاشی طبع اول ص۷۵ مع شرح از محمد فیض الحسن مطبوعہ کانپور ص۷۵) کہ راویوں میں سے دوسری قسم کے راوی وہ ہیں جو حافظہ اور دیانتداری کے لحاظ سے تو مشہور ہیں۔ اجتہاد اور فتویٰ کے لحاظ سے قابلِ اعتبار نہیں۔ جیسے ابوہریرہؓ اور انس بن مالکؓ۔

۲۔ عَنْ اَبِیْ حَسَّانٍ اَنَّ رَجُلَیْنِ دَخَلَا عَلٰی عَائِشَةَ فَحَدَّثَهَا اَنَّ اَبَا هُرَیْرَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلطِّیَرَةُ فِی الْمَرْاَةِ وَالْفَرَسِ وَالدَّارِ فَغَضِبَتْ غَضَبًا شَدِیْدًا فَقَالَتْ مَا قَالَهٗ اِنَّمَا قَالَ كَانَ اَهْلُ الْجَاهِلِیَّةِ یَتَطَیَّرُوْنَ مِنْ ذٰلِكَ۔" (اصول الشاشی مَاثَبَتَ بِالسُّنَّةِ ص۲۹) کہ دو شخص حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور کہا کہ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عورت۔ گھوڑے اور گھر میں بدشگونی ہوتی ہے۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سخت ناراض ہوئیں اور فرمایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعاً نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ نے تو یہ فرمایا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ ان کو بدشگون سمجھتے تھے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہؓ بے شک روزہ دار کے حق میں فتویٰ دیتے تھے کہ صبح ہونے سے پہلے غسل کر چکے اور عائشہ صدیقہؓ کی روایت چونکہ مرفوع ہے۔ اس لیے بحکم اُصول حدیث وہ مقدم ہے۔ کیونکہ شارع علیہ السلام کا فعل ہے اور ابوہریرہؓ کا فتویٰ اُن کا اجتہادی ہے۔"

(اہلحدیث ۱۸ر جولائی ۱۹۳۰ء)

۴۔ فقہاء میں بعض اس بات کے قائل ہیں کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے جب اس مسئلہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا۔ تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا۔ اگر یہ صحیح ہو تو اُس پانی کے پینے سے بھی وضو ٹوٹ جائیگا جو آگ پر گرم کیا گیا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت ابوہریرہؓ کو ضعیف الروایت نہیں سمجھتے تھے لیکن چونکہ اُن کے نزدیک یہ روایت درایت کے خلاف تھی اس لیے انہوں نے تسلیم نہیں کی اور یہ خیال کیا کہ سمجھنے میں غلطی ہو گئی۔"

(اہلحدیث ۲۲ر نومبر ۱۹۲۹ء)

۱۶- مبارک احمد کی وفات کی پیشگوئی

صاحبزادہ مبارک احمد کی وفات پر حضرت مرزا صاحب نے لکھا تھا کہ اس کی وفات کے متعلق میں پہلے سے پیشگوئی کر چکا ہوں کہ وہ بچپن میں فوت ہو جائیگا (تریاق القلوب طبع اوّل صٓ۴ حاشیہ) یہ جھوٹ ہے (نعوذ باللہ)

جواب :- مبارک احمد کی وفات پر حضرت اقدس علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا۔ اسی حوالہ میں موجود ہے۔ "اللہ تعالیٰ نے اُس کی پیدائش کے ساتھ ہی موت کی خبر دے رکھی تھی۔ تریاق القلوب صٓ۴ مطبوعہ ۱۹۰۲ء میں لکھا ہے۔ "اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَ اُصِیْبُہٗ" تذکرہ چوتھا ایڈیشن صٓ۳۳۴) مگر قبل از وقت ذہول رہتا ہے اور ذہن منتقل نہیں ہوا کرتا۔" (الحکم جلد ۱۱ نٓ۲۹ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۷ء صٓ۵)

۱- تریاق القلوب صٓ۴ (جس کا حوالہ حضرتؑ نے دیا ہے) اُس میں ہے۔

"اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَ اُصِیْبُہٗ۔" کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اور اُسی کی طرف چلا جاؤنگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تریاق القلوب میں اس الہام کو مع ترجمہ درج فرما کر اپنی طرف سے لکھتے ہیں :- "اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لڑکا چھوٹی عمر میں فوت ہو جائیگا۔ یا یہ رجوع بحق ہو گا۔

(تریاق القلوب صٓ۴ طبع اوّل ۱۹۰۲ء)

۲- ۱۸ نومبر ۱۹۰۶ء :- "دیکھا کہ ہمارے باغ (بہشتی مقبرہ) میں کچھ لوگ ایک جڑھ لگا رہے ہیں ساتھ ہی الہام ہوا "مبارک"۔ (الحکم جلد ۱۰ نٓ۴۰ ۲۴ نومبر ۱۹۰۶ء صٓ۱)

۳- "خواب میں دیکھا کہ ایک عورت کو تین روپے دے رہا ہوں اور اس سے کہتا ہوں کہ کفن کے لئے میں آپ دُونگا۔ گویا کوئی مر گیا ہے۔ اُس کی تجہیز و تکفین کے لئے تیاری ہے۔"

(الحکم جلد ۱۱ نٓ۲۶ ۱۷ جولائی ۱۹۰۷ء صٓ۳)

حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب ۱۶ ستمبر ۱۹۰۷ء کو فوت ہوئے۔

۴- "میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک گڑھا قبر کے اندازہ کی مانند ہے اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس میں ایک سانپ ہے۔ اور پھر ایسا خیال آیا کہ وہ سانپ گڑھے میں سے نکل کر کسی طرف بھاگ گیا ہے اس خیال کے بعد مبارک احمد نے اس گڑھے میں قدم رکھا۔ اس کے قدم رکھنے کے وقت محسوس ہوا کہ وہ سانپ ابھی گڑھے میں ہے۔ اور سانپ نے حرکت کی۔"

(الحکم جلد ۱۱ نٓ۶ ۱۷ فروری ۱۹۰۷ء صٓ۱)

۵- "اِنَّ خَبَرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَاقِعٌ" "کہ اللہ نے جو خبر بتلائی تھی وہ واقع ہونے والی ہے۔ فرمایا۔ کسی پیشگوئی کے ظہور کا وقت آگیا ہے...... ایک بڑا ستارہ ٹوٹا ہے۔"

(الحکم جلد ۱۱ نٓ۲۹ ۲۴ اگست ۱۹۰۷ء صٓ۳)

۱۷۔ کَانَ فِی الْھِنْدِ نَبِیًّا

ا۔ مرزا صاحب نے چشمۂ معرفت ضمیمہ ص۱۰ میں حدیث لکھی ہے کہ "کَانَ فِی الْھِنْدِ نَبِیًّا اَسْوَدَ اللَّوْنِ اِسْمُہٗ کَاھِنًا" اس کا حوالہ دو۔

ب۔ مرزا صاحب نے ایسے شخص کو نبی کہا ہے جس کا قرآن میں نام نہیں۔

الجواب:۔ (ا) یہ حدیث "تاریخ ہمدان دیلمی باب الکاف میں ہے۔

(ب) قرآن مجید میں ہے ا۔ "وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا" (النحل: ۳۷) کہ ہم نے ہر قوم میں نبی بھیجے ہیں۔

۲۔ وَ اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ (فاطر: ۲۵)

۳۔ وَ لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ (الرعد: ۸)

پس ان آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ قرآنِ مجید کے قبل بھی ہندوستان میں کوئی نبی ہو چکا ہے۔

(ج) باقی رہا اُن کو نبی قرار دینا جس کا نام قرآن مجید میں بطور نبی نہ لکھا ہوا ہو تو آپ ہی کے علماء نے مندرجہ ذیل بزرگوں کو نبی کیسے قرار دیا۔

۱۔ ذوالقرنین نبی تھا۔ (تفسیر کبیر امام رازی جلد ۵ ص۷۴۲)

حالانکہ قرآن مجید میں کہیں نہیں لکھا کہ ذوالقرنین نبی تھا۔

۲۔ خضر (تفسیر کبیر جلد ۵ ص۴۲۷) حالانکہ قرآن مجید میں خضر کا نام تک نہیں۔

۳۔ لقمان۔ (ابن جریر جلد ۲۱ ص۴۳ مصری)

۴۔ "فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ" والی آیت سورۃ یٰسین کے متعلق مفسرین نے (خصوصاً حضرت ابن عباسؓ نے) (۱) یوحنا (۲) پولوس (۳) شمعون کو "ھُمْ رُسُلُ اللّٰہِ" کہا ہے (روح المعانی جلد ۷ ص۲۰۲)۔

۵۔ خالد بن سنان نبی تھا (جمل لابی البقا۔ جلد ا ص۴۹۹ و تفسیر حسینی جلد ا ص۱۲۹)

۶۔ نیز مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے بھی کرشن کو نبی مانا ہے

(دیکھو دھرم پرچار ص۴ و مباحثہ شاہجہان پور ص۳۱)

۱۸۔ ایں مشت خاک را گر نہ بخشم چہ کنم

مرزا صاحب نے لکھا ہے (البدر جلد ا ص۱۰ مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۰۳ء ص۷۹) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فارسی زبان میں مندرجہ بالا الہام ہوا۔ اس کا حوالہ دو؟

جواب:۔ یہ حدیث کتاب کوثر النبیؐ باب الفاء میں ہے جو قادیان کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

باقی ربانی کو غیر زبان میں الہام ہونا۔ تو اس کا جواب بالتفصیل الہامات پر اعتراضات کے جواب میں گذر چکا ہے۔

۱۹- طاعون کے وقت شہر سے نکلنا

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے جس شہر میں وبا ہو۔ اس شہر کے لوگ بلا توقف شہر سے باہر نکل آئیں۔ (ارریویو جلد ۶ نمبر ۹ ماہ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۳۶۵)

جواب:- (الف) یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ هٰذَا الطَّاعُوْنَ رِجْسٌ فَتَفَرَّقُوْا عَنْهُ فِی الشِّعَابِ۔" اے لوگو! یہ طاعون نہایت خبیث ہے۔ پس تم گھاٹیوں اور میدانوں میں پھیل جاؤ۔ (قول عمرو بن عبسہ کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۲۴ بڑی تختی والی)

(ب) قرآن مجید میں ہے۔ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا (ق: ۱۲) پس شہر یا گاؤں کی ملحقہ زمینیں شہر ہی میں شامل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو منع فرمایا ہے۔ وہ شہر سے باہر نکلنے سے ہے۔ اِس امر سے منع نہیں فرمایا کہ شہر یا گاؤں کی ملحقہ اراضیات میں بھی نہ جایا جائے۔

۲۰- چاند سورج کو دو دفعہ گرہن

حضرت مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۵ طبع اوّل میں لکھا ہے کہ حدیث میں ہے کہ مہدی کے وقت میں کسوف خسوف رمضان دو دفعہ ہو گا۔ چنانچہ امریکہ اور ہندوستان میں دو دفعہ یہ کسوف خسوف ہوا۔ جو میری صداقت کی دلیل ہے۔ حدیث و کتاب کا حوالہ دو جہاں دو مرتبہ خسوف کا ذکر ہو۔

الجواب:- اس کے حوالے کے لئے دیکھو حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۴۔

"پیش ازیں کہ ماہ رمضان گذشتہ باشد۔ دو دے دو کسوفِ شمس و قمر شدہ باشد۔ انتہی و دراشاعت گفتہ دو بار در رمضان خسوف قمر شود۔" ؎

وَكَمْ نَدِمْتُ عَلٰى مَا كُنْتُ قُلْتُ بِهٖ
وَمَا نَدِمْتُ عَلٰى مَا لَمْ تَكُنْ تَقُلْ

۲۱- معیارِ طہارت

حضرت مرزا صاحب نے اپنے ایک مکتوب محررہ ۲۵ نومبر ۱۹۰۳ء میں جو الفضل ۲۲ فروری ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا صحابہؓ کے متعلق لکھا ہے کہ" وہ کپڑے پر منی گرتی تھی تو خشک ہونے کے بعد اُس کو جھاڑ دیتے تھے ..... ایسے کنوئیں سے پانی پیتے تھے جس میں حیض کے لتّے پڑتے تھے .... عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھا لیتے تھے حالانکہ مشہور تھا کہ سوّر کی چربی اس میں پڑتی ہے .... کسی مرض کے وقت اونٹ کا پیشاب بھی پی لیتے تھے۔ (اخبار الفضل قادیان ۲۲ فروری ۱۹۲۴ء صفحہ ۹) ان امور کا ثبوت دو؟

جواب:۔ یہ سب امور حضرت اقدس علیہ السلام نے یہ ثابت کرنے کے لئے تحریر فرماتے ہیں کہ محض شک اور شبہ کی بناء پر آدمی کو غسل کرنے اور کپڑے دھونے کا وہم نہیں کرنا چاہیئے چنانچہ حضرت اقدس علیہ السلام اسی خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اسی طرح شک وشبہ میں پڑنا بہت منع ہے شیطان کا کام ہے جو ایسے وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ ہرگز وسوسہ میں نہیں پڑنا چاہیئے گناہ ہے اور یاد رہے کہ شک کے ساتھ غسل واجب نہیں ہوتا اور نہ صرف شک سے کوئی چیز پلید ہو سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ وہمیوں کی طرح ہر وقت کپڑا صاف نہیں کرتے تھے۔" (اخبار الفضل قادیان ۲۲ فروری ۱۹۲۴ء ص۹)

اِس کے بعد آپ نے وہ مثالیں درج فرمائی ہیں جن کا حوالہ معترض نے دیا ہے۔ باقی رہا اُن اُمور کا جن کا حضورؐ نے ذکر فرمایا ثبوت۔ تو سنو:۔

۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی سمجھے کہ اُسے رات کو احتلام ہوا تھا مگر تری نہ دیکھے تو اُسے غسل کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضور صلعم نے فرمایا کہ اُس پر غسل نہیں ہے۔ (منتقیٰ لابن تیمیہ ص۲۵)

۲۔ كُنْتُ أُفْرِكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَابِسًا (منتقیٰ لابن تیمیہ ص۳) یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے پر سے خشک شدہ منی کھرچ دیتی تھی۔

۳۔ حضرت ابوسعید الخدریؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا ہم بئر بضاعۃ کے پانی سے وضو کر لیا کریں۔ تو حضور صلعم نے فرمایا اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهٗ شَيْءٌ" کہ یہ پانی پاک ہے پلید نہیں۔ پس بیشک وضو کر لیا کرو۔ حالانکہ وہیں پر لکھا ہے:۔

"هِيَ بِئْرٌ تُلْقٰى فِيْهَا الْحِيَضُ وَلُحُوْمُ الْكِلَابِ" کہ یہ وہ کنواں تھا جس میں خون حیض اور کتوں کا گوشت پڑتا تھا۔ وہیں پر ابوداؤد کی روایت کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کنوئیں کا پانی صحابہؓ پی بھی لیا کرتے تھے۔ (منتقیٰ مؤلفہ ابن تیمیہ ص۴)

۴۔ عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھانے میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے:۔ "وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ" (المائدہ ۶:) کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ کا یا اُن کا بنا ہوا کھانا حلال ہے۔ باقی رہا اس کے متعلق یہ مشہور ہونا کہ اس میں سؤر کی چربی ہوتی تھی۔ تو اس متعلق حضرت اقدس علیہ السلام کا مکمل فقرہ یوں ہے:۔

"عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھا لیتے تھے۔ حالانکہ مشہور تھا کہ اس میں سؤر کی چربی پڑتی ہے اصول یہ تھا کہ جب تک یقین نہ ہو ہر ایک چیز پاک ہے۔ محض شک سے کوئی چیز پلید نہیں ہو جاتی۔"

(اخبار الفضل قادیان ۲۲ فروری ۱۹۲۴ء ص۹ مکتوب محررہ ۲۵ نومبر ۱۹۰۳ء)

پس یہ کہنا کہ اس پنیر میں فی الواقعہ سؤر کی چربی ہوتی تھی حضرت اقدس علیہ السلام پر افتراء ہے حضرت اقدسؑ نے تو یہ فرمایا ہے کہ بات غلط طور پر لوگ مشہور کرتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ بات غلط تھی اور صحابہؓ کے

علم کے رُو سے بھی اس پنیر میں سور کی چربی نہ ہوتی تھی۔ اس لئے وہ اس کو استعمال کر لیتے تھے۔ غرضیکہ اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ اور صحابہؓ کا یہ فعل قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت کے عین مطابق تھا، لیکن ممکن ہے کہ معترض کی تسلی بغیر حوالے کے نہ ہو۔ اس لئے مندرجہ ذیل حوالجات ملاحظہ ہوں:۔

د:" وَجُوْخٌ اِشْتَهَرَ عَمَلُهٗ بِشَحْمِ الْخِنْزِيْرِ وَجُبْنٌ شَامِيٌّ اِشْتَهَرَ عَمَلُهٗ بِالْفَحْتِ الْخِنْزِيْرِ وَقَدْ جَآءَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُبْنَةٌ مِنْ عِنْدِهِمْ فَاَكَلَ مِنْهَا وَلَمْ يَسْئَلْ عَنْ ذَالِكَ۔ ذَكَرَهٗ شَيْخُنَا فِيْ شَرْحِ الْمِنْهَاجِ "

(فتح المعین شرح قرۃ العین مصنفہ علامہ شیخ زین الدین بن عبد العزیز مطبوعہ ۱۳۱۱ھ ص۱۴ باب الصلوٰۃ)

ب۔ جوخ جو مشہور ہے بنانا اس کا ساتھ چربی سور کے۔ اور پنیر شام کا جو مشہور ہے بنانا اس کا ساتھ مایہ سور کے۔ اور آیا جناب سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پنیر اُن کے پاس سے۔ پس کھایا آنحضرت صلعم نے اُس سے۔ اور نہ پوچھا اُس سے۔"

{ رسالہ اظہار حق در باب "جواز طعام اہل کتاب" شائع کردہ خان احمد شاہ صاحب قائمقام اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہوشیار پور مطبوعہ مطبع آتالیق ہند لاہور ص۱۶ جس پر مولوی سید نذیر حسین دہلوی۔ مولوی محمد حسین بٹالوی۔ مولوی عبد الحکیم کلانوری، مولوی غلام علی قصوری اور دیگر علماء ہند کے دستخط و مواہیر ثبت ہیں مطبوعہ ۱۸۷۵ء }

۵۔ حضرت اُمّ قیس بنت محصن اپنا ایک شیر خوار بچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائیں۔ بچے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ لکھا ہے کہ فَدَعَا بِمَآءٍ فَنَضَحَهٗ عَلَيْهِ وَلَمْ يَغْسِلْهُ " (منتقیٰ مؤلفہ ابن تیمیہ ص۱) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگایا اور اپنے کپڑے پر اُس کا چھینٹا دیا۔ مگر کپڑے کو نہ دھویا۔

۶۔ عکل یا عرینہ کے چند مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے مدینہ میں بباعث ناموافقت آب وہوا وہ بیمار ہو گئے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکو اونٹوں کا پیشاب اور اونٹنیوں کا دودھ پینے کا حکم دیا۔" (منتقیٰ مؤلفہ ابن تیمیہ ص۹)

غرضیکہ حضرت اقدس علیہ السلام نے جو اس ضمن میں تحریر فرمایا ہے۔ اس میں کسی شک وشبہ کی یا اعتراض کی گنجائش نہیں۔

۲۲۔ تورات کے چار سو نبی

اعتراض:۔ حضرت مرزا صاحب نے ازالہ اوہام حصہ دوم ص۶۲۹ طبع اول میں لکھا ہے کہ تورات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چار سو نبیوں کو شیطانی الہام ہوا تھا۔ ۱۔ سلاطین ب۲۲ آیت ۶ تا ۱۹۔ تورات میں ہرگز یہ نہیں لکھا۔ بلکہ وہاں تو یہ لکھا ہے کہ وہ بعل بُت کے پجاری تھے۔

(۱۔ سلاطین باب۱۶ آیت ۳۱، ۲۔ سلاطین باب۱۰ آیت ۱۹)

الجواب ۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جن چار سو نبیوں کا ذکر فرمایا ہے وہ جھوٹے نبی نہیں تھے۔ اور نہ وہ بعل بُت کے پُجاری تھے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود تورات کا حوالہ دیا ہے۔

"مجموعہ تورات میں سے سلاطین اول باب بائیس[۲۲] آیت ۶، ۱۹، ۲۲ میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کے وقت میں چار سو نبی نے اُس کی فتح کے بارے میں پیشگوئی کی اور وہ جھوٹے نکلے اور بادشاہ کو شکست آئی۔"

(ازالہ اوہام طبع سوم صفحہ ۲۵۶ و طبع اول صفحہ ۶۲۹)

مگر جو جھوٹے نبی بعل بُت کے پجاری تھے اُن کا ذکر باب ۲۲ میں نہیں بلکہ ۱۶ میں ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حوالہ باب ۲۲ کا دیا ہے۔ نہ کہ باب ۱۶ کا۔

۲۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا ہے:۔

"بائیبل میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چار سو نبی کو شیطانی الہام ہوا تھا۔۔۔۔ اور ایک پیغمبر جس کو جبرائیل سے الہام ملا تھا۔۔۔۔۔ سو یہ خوشخبری سچی نکلی۔ مگر اس چار سو نبی کی پیشگوئی جھوٹی ظاہر ہوئی۔"

(ضرورت الامام صفحہ ۱۷، ۱۸ طبع اول قادیان ستمبر ۱۸۹۸ء)

اور یہ سب کچھ ۱۔ سلاطین باب ۲۲ آیت ۵ تا ۲۸ میں لکھا ہوا موجود ہے۔ اور یہوسفط نے شاہِ اسرائیل سے کہا۔ آج کے دن خداوند (نہ کہ بعل۔ خادم) کی مرضی الہام سے دریافت کیجئے۔ تب شاہِ اسرائیل نے اُس روز نبیوں کو جو چار سو کے قریب تھے اکٹھا کیا۔ اور اُن سے پوچھا۔ پھر یہوسفط بولا۔ اِن کے سوا خداوند کا کوئی نبی ہے؟ (اس کے بعد لکھا ہے کہ میکایاہ نبی کو بلایا گیا۔ خادم) اُس نے (میکایاہ نے) جواب میں کہا۔۔۔۔۔ دیکھ خداوند تیرے نے اِن سب نبیوں کے مُنہ میں جھوٹی رُوح ڈالی ہے اور خداوند ہی نے تیری بابت (مجھ کو) خبر دی ہے۔" (۱۔ سلاطین باب ۲۲)

غرض باب ۲۲ والے نبی بعل والے نبی نہیں ہیں۔ بعل والے نبیوں کا ذکر باب ۱۶ میں الگ طور پر درج ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کا ذکر نہیں فرمایا۔ اور ان کی تعداد چار سو نہیں بلکہ چار سو پچاس تھی۔ (۱۔ سلاطین ۱۸/۲۲) پس حضرت اقدس علیہ السلام نے ان کا ذکر نہیں فرمایا۔

۳۔ جہاں تک حوالہ کا تعلق تھا وہ گذر چکا، لیکن ہمیں حیرت ہے کہ تورات کے ان نبیوں پر شیطانی الہام کے ذکر سے تم اتنا کیوں چڑتے ہو جبکہ تم ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی مانتے ہو کہ ایک دفعہ آپ کو بھی شیطانی الہام ہو گیا تھا (نعوذ باللہ) دیکھو جلالین مجتبائی صفحہ ۲۸۲ و زرقانی شرح مواہب الدنیہ جلد ۱ صفحہ ۳۴۰ مفصل بحث کے لئے دیکھو پاکٹ بک ہذا مضمون حضرات انبیاء علیہم السلام پر غیر احمدی علماء کے بہتانات" آخری حصہ)۔

۲۲۔ وعدہ خلافی

مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کا اشتہار دیا۔ لوگوں سے روپے لئے کہ تین سو دلائل (براہین احمدیہ حصہ

پنجم دیباچہ ش) لکھوں گا۔ مگر سب روپیہ کھا گئے۔ اور دلائل شائع نہ کئے۔ جس سے قومی نقصان ہوا۔ اور وعدہ خلافی بھی۔

الجواب:۔ اس اعتراض کے تین حصے ہیں۔

(۱) وعدہ خلافی (۲) روپیہ (۳) قومی نقصان۔

یعنی اگر وہ دلائل شائع ہوتے۔ تو اُن سے بہت فائدہ پہنچتا۔ سو وعدہ خلافی کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنا ارادہ تو فی الواقع تین سو دلائل براہین احمدیہ نامی کتاب ہی میں لکھنے کا تھا۔ مگر ابھی چار حصے ہی لکھنے پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مامور فرما دیا۔ اور اُس سے زیادہ عظیم الشان کام کی طرف متوجہ کر دیا۔ اس لئے حضور کو مجبوراً براہین احمدیہ کی تالیف کا کام چھوڑنا پڑا۔ اور یہ بات اہلِ اسلام کے ہاں مسلّم ہے کہ حالات کے تبدیل ہونے کے ساتھ وعدہ بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن مَردوں اور مومن عورتوں کے ساتھ جنت کا وعدہ کرتا ہے۔ اب اگر ایک مومن مُرتد ہو جائے تو گو پہلے خدا کا اُس کے ساتھ وعدہ جنت کا تھا مگر اب وہ دوزخ کے وعدہ کا مستحق ہو جائیگا۔ اسی طرح اگر ایک ہندو بعد میں مسلمان ہو جائے تو گو اُس کے ساتھ پہلے وعدہ جہنم کا تھا۔ مگر اب تبدیلیٔ حالات کی وجہ سے وہ جنت کا مستحق بن جائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تبدیلیٔ حالات کا ذکر براہین احمدیہ حصہ چہارم کے ٹائیٹل پیج کے آخری صفحہ پر زیر عنوان "ہم اور ہماری کتاب" فرمایا ہے۔

۲۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات آنے کا وعدہ کر گئے۔ مگر حسبِ وعدہ نہ آئے۔ دوسرے دن جب آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا۔ "لَقَدْ كُنْتَ وَعَدْتَنِيْ اَنْ تَلْقَانِيْ فِي الْبَارِحَةِ قَالَ اَجَلْ وَلٰكِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَّلَا صُوْرَةٌ۔" (مشکوٰۃ کتاب التصاویر صفحہ ۳۸۵ مجتبائی)

کہ آپ تو کل آنے کا وعدہ کر گئے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں وعدہ تو کر گئے تھے مگر ہم ایسے مکان میں داخل نہیں ہوا کرتے جس میں کُتا یا صورت ہو۔

۳۔ عَنْ مُجَاهِدٍ اَنَّهٗ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لِقُرَيْشٍ اِسْاَلُوْهُ عَنِ الرُّوْحِ وَعَنْ اَصْحَابِ الْكَهْفِ وَذِي الْقَرْنَيْنِ فَسَئَلُوْهُ فَقَالَ اِيْتُوْنِيْ غَدًا اُخْبِرُكُمْ وَلَمْ يَسْتَثْنِ فَاَبْطَاَ عَنْهُ الْوَحْيُ بِضْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا حَتّٰى شَقَّ عَلَيْهِ وَكَذَّبَتْهُ قُرَيْشٌ۔"

(تفسیر کمالین برحاشیہ جلالین صفحہ ۲۴۱ مجتبائی)

مجاہد سے روایت ہے کہ ایک دفعہ یہودیوں نے قریش سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رُوح اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کرو۔ پس انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کل آنا۔ میں تم کو بتاؤں گا۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی استثناء نہ کی۔ یعنی آپ نے انشاء اللہ بھی نہ فرمایا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریباً عشرہ تک وحی رُکی رہی۔ یہاں تک کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ امر شاق گذرا۔ اور آنحضرت صلعم کو قریش نے جھوٹا آدمی قرار دیا۔ (نعوذ باللہ)

دوسرا سوال براہین احمدیہ کا روپیہ۔ اس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ اعلان پڑھو:۔

"ایسے لوگ جو آئندہ کسی وقت جلد یا بدیر اپنے روپیہ کو یاد کرکے اس عاجز کی نسبت کچھ شکوہ کرنے کو تیار ہیں۔ یا اُن کے دل میں بھی بدظنی پیدا ہو سکتی ہے۔ وہ براہِ مہربانی اپنے ارادہ سے مجھ کو بذریعہ خط مطلع فرما دیں اور مَیں اُن کا روپیہ واپس کرنے کے لئے یہ انتظام کرونگا کہ ایسے شہر میں یا اُن کے قریب اپنے دوستوں میں سے کسی کو مقرر کر دونگا کہ تا چاروں حصے کتاب کے لیکر روپیہ اُن کے حوالے کرے اور مَیں ایسے صاحبوں کی بدزبانی اور بدگوئی اور دُشنام دہی کو بھی محض لِلّٰہ بخشتا ہوں کیونکہ مَیں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے لئے قیامت میں پکڑا جائے اور اگر ایسی صورت ہو کہ خریدارِ کتاب فوت ہو گیا ہو اور وارثوں کو کتاب بھی نہ ملی ہو۔ تو چاہیئے کہ وارث چار معتبر مسلمانوں کی تصدیق خط میں لکھوا کر کہ اصلی وارث وہی ہے وہ خط میری طرف بھیجدے۔ تو بعد اطمینان وہ روپیہ بھی بھیجدیا جائیگا۔" (تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۳۵، ۳۶ نیز دیکھو اربعین نمبر ۲ صفحہ ۲۸ ، حضرت اقدسؑ کا عام اشتہار و تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۸۵ اشتہار یکم مئی ۱۸۹۳ء و کتاب ایام الصلح صفحہ ۱۷۱) اس بات کا ثبوت کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محض اعلان پر ہی اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ اس کے مطابق عملی طور پر روپیہ واپس بھی کیا دشمنِ سلسلہ ڈاکٹر عبدالحکیم خان کا مندرجہ ذیل معاندانہ بیان ہے:۔

"پوری قیمت وصول کرکے اور سوا سو آدمیوں کو قیمت واپس دیکر گل کی طرف سے اپنے آپ کو فارغ البال سمجھا جاتے۔" (الذکر الحکیم صفحہ ۶ ۔ کانا دجال صفحہ ۴۰ آخری سطر)

گویا شدید سے شدید دشمن بھی تسلیم کرتا ہے کہ قیمت واپس دی گئی گو وہ اپنے دجالانہ فریب سے حق کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تاہم حق بات اس کے قلم سے نکل گئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں:۔

۱۔ "پس جن لوگوں نے قیمتیں دی تھیں اکثر نے گالیاں بھی دیں اور اپنی قیمت بھی واپس لی۔" (دیباچہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۸)

۲۔ "ہم نے ...... دو مرتبہ اشتہار دے دیا کہ جو شخص براہین احمدیہ کی قیمت واپس لینا چاہیے وہ ہماری کتابیں ہمارے حوالے کرے اور اپنی قیمت لے لے۔ چنانچہ وہ تمام لوگ جو اس قسم کی جہالت اپنے اندر رکھتے تھے انہوں نے کتابیں بھیجدیں اور قیمت واپس لے لی۔ اور بعض نے تو کتابوں کو بہت خراب کرکے بھیجا۔ مگر پھر بھی ہم نے قیمت دے دی ..... خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایسے دنی طبع لوگوں سے خدا تعالیٰ نے ہم کو فراغت بخشی۔"

(تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۸۵ و ایام الصلح طبع اول صفحہ ۱۶۳ و طبع ثانی صفحہ ۱۹۸)

باقی رہا تیسرا سوال کہ تین سو دلائل لکھتے تو اسلام کو فائدہ ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ براہین احمدیہ

کے پہلے چار حصّوں میں حضرت اقدس علیہ السلام نے اسلام کی صداقت پر دو قسم کے دلائل دیئے ہیں۔

۱۔ اعلیٰ تعلیمات ۲۔ زندہ معجزات

اور حقیقت یہ ہے کہ یہی دونوں ہزارہا دلائل پر حاوی ہیں۔ چنانچہ خود حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریر فرمایا ہے:۔

"مَیں نے پہلے ارادہ کیا تھا کہ اثبات حقیقت اسلام کے لئے تین سو دلیل براہین احمدیہ میں لکھوں لیکن جب مَیں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ دو قسم کے دلائل ہزارہا نشانوں کے قائمقام ہیں۔ پس خدا نے میرے دل کو اس ارادہ سے پھیر دیا۔ اور مذکورہ بالا دلائل کے لکھنے کے لئے مجھے شرح صدر عنایت کیا۔" (دیباچہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم ص۵)

نیز حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنی متعدد کتب میں جو اسّی سے بھی زیادہ ہیں ان میں صداقتِ اسلام کے تین سو سے بھی زائد دلائل بیان فرما دیئے ہیں۔ اگر غیر احمدی علماء مقابل پر آئیں تو ہم ان کتابوں میں سے وہ دلائل نکال کر دکھا سکتے ہیں۔

۲۴۔ پانچ پچاس کے برابر

مرزا صاحب نے براہین احمدیہ حصہ پنجم دیباچہ ص۷ پر لکھا ہے کہ مَیں نے براہین احمدیہ کے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر اب صرف پانچ ہی لکھتا ہوں۔ پانچ بھی پچاس ہی کے برابر ہیں۔ صرف ایک نقطے کا فرق ہے۔

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو پانچ کو پچاس کے برابر قرار دیا ہے تو یہ حساب اپنی طرف سے نہیں لگایا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کا بتایا ہوا حساب ہے۔ اگر اعتبار نہ ہو تو بخاری کی یہ حدیث پڑھو۔

"فَقَالَ هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُوْنَ (بخاری کتاب الصلوٰۃ پہلی حدیث جلد اصفحہ مصری) کہ معراج کی رات جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے پچاس نمازوں میں تخفیف کرانے کے لئے آخری مرتبہ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوتے تو خدا تعالیٰ نے فرمایا "یہ بھی یہ پانچ! یہ پچاس ہیں۔"

اور مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ میں حدیث معراج کے یہ الفاظ ہیں:۔

"قَالَ هٰذِهٖ خَمْسُ صَلٰوةٍ بِكُلِّ وَاحِدٍ عَشْرٌ فَهٰذِهٖ خَمْسُوْنَ صَلٰوةً" (مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ حدیث معراج) کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا یہ پانچ نمازیں ہیں۔ ہر ایک دس کے برابر ہے۔ پس یہ پچاس نمازیں ہوگئیں۔ فلا اعتراض۔

۲۵۔ مبالغہ کا الزام

مرزا صاحب نے مبالغے کئے ہیں۔ لکھا ہے کہ میرے شائع کردہ اشتہارات ساٹھ ہزار کے قریب ہیں۔

اربعین ۳ ص۲۹ طبع اول ۔ اور میری کتابیں پچاس الماریوں (تریاق القلوب ص۱۵ طبع اول) میں سما سکتی ہیں؟

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اربعین ۳ ص۲۹ کی محولہ عبارت میں یہ نہیں لکھا کہ میں نے ساٹھ ہزار اشتہار تحریر یا تصنیف کیا ہے۔ بلکہ لکھا ہے کہ "شائع" کیا ہے جس کے معنے یہ ہیں۔ کہ اربعین کی تحریر (سنہ ۱۹۰۰ء) تک جسقدر اشتہارات حضور علیہ السلام نے شائع فرماتے تھے اُن کی "مجموعی تعدادِ اشاعت" ساٹھ ہزار کے قریب تھی۔ جو درست ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کل اشتہارات جو میر قاسم علی صاحب کو دستیاب ہو سکے وہ ۲۶۱ ہیں۔ میر صاحب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ تبلیغ رسالت میں مطبوعہ اشتہارات کے سوا اور کوئی اشتہار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شائع کردہ نہیں۔ ان مطبوعہ اشتہارات میں سے اکثر اشتہارات کی "تعداد اشاعت" سات سات سو ہے۔ جیسا کہ اُن میں سے بعض اشتہارات کے آخر میں درج ہے۔

(تبلیغ رسالت جلد ۷ ص۵، ص۷۰ وجلد ۸ ص۳۹، ص۴۶ جلد ۱۰ ص۸)

بعض اشتہارات کی تعداد اشاعت چھ ہزار بھی ہے (تبلیغ رسالت جلد ۱۰ ص۹۲) اور بعض کی تین ہزار (جلد ۸ ص۹۴) اور بعض کی دو ہزار (جلد ۷ ص۴۹) اور بعض کی چودہ صد (جلد ۷ ص۵۵) اور بعض کی ایک ہزار بھی ہے (جلد ۷ ص۹۸)

غرضیکہ "تعداد اشاعت" اشتہارات کی مختلف ہے۔ اگر فی اشتہار تین صد اوسط سمجھ لی جائے اور اس حساب سے تبلیغ رسالت میں مجموعہ ۲۶۱ اشتہارات کی تعداد اشاعت ۷۸۳۰۰ بنتی ہے اور اربعین ۱۵ دسمبر سنہ ۱۹۰۰ء تک ۲۲۶ اشتہارات کی تعدادِ اشاعت ۶۷۸۰۰ بنتی ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "ساٹھ ہزار" کے قریب قرار دیا ہے۔

اِسی طرح اپنی کتب کی تصنیف کے لحاظ سے تعداد حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمہاری محولہ تریاق القلوب ص۱۵ کی عبارت میں نہیں بتائی۔ بلکہ حضور علیہ السلام نے اپنے رسائل اور کتب کی اشاعت کے لحاظ سے تعداد مدنظر رکھ کر تحریر فرمایا ہے کہ

"اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں اُن سے بھر سکتی ہیں"

(تریاق القلوب ص۱۵ طبع اول)

اور یہ درست ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصنیف کردہ کتب کی تعداد خود مصنف محمدیہ پاکٹ بک نے بھی ۸۰ تسلیم کی ہے۔ جن میں سے براہین احمدیہ۔ تحفہ گولڑویہ۔ ازالہ اوہام۔ آئینہ کمالات اسلام۔ حقیقۃ الوحی۔ چشمہ معرفت جیسی ضخیم کتابیں لکھی ہیں۔ جن کی تعداد اشاعت ۲۹۰۰ (نزول المسیح) تذکرۃ الشہادتین ۸۰۰۔ تریاق القلوب ۷۰۰۔ ایام الصلح ۷۰۰۔ اربعین ۷۰۰۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم ۱۷۰۰ وغیرہ ہیں۔ پس ان کتب کے جملہ نسخوں کو اگر الماریوں میں رکھا جائے تو پچاس سے زائد الماریاں بھر سکتی ہیں۔ لہٰذا کوئی مبالغہ نہیں۔

اسی طرح اپنے نشانات کی تعداد کے بارے میں جو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات ہیں۔ اُن میں بھی کوئی مبالغہ نہیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو اپنے نشانات کی تعداد دس لاکھ قرار دی ہے

اس کی تشریح بھی خود ہی فرمائی ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"یہ سات قسم کے نشان ہیں۔ جن میں سے ہر ایک نشان ہزار ہا نشانوں کا جامع ہے۔ مثلاً یہ پیشگوئی کہ "یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ" جس کے معنے یہ ہیں کہ ہر ایک جگہ سے اور دور دراز ملکوں سے نقد اور جنس کی امداد آئے گی۔ اور خطوط بھی آئیں گے۔ اب اس صورت میں ہر ایک جگہ سے جو اب تک کوئی روپیہ آتا ہے یا پارچات یا دوسرے ہدیے آتے ہیں یہ سب بجائے خود ایک ایک نشان ہیں۔ کیونکہ ایسے وقت میں اِن باتوں کی خبر دی گئی تھی جبکہ انسانی عقل اس کثرت مدد کو دور از قیاس و محال سمجھتی تھی۔

ایسا ہی یہ دوسری پیشگوئی یعنی یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ"..... اس زمانہ میں یہ پیشگوئی بھی پوری ہو گئی۔ چنانچہ اب تک کئی لاکھ انسان قادیان میں آچکے ہیں۔ اور اگر خطوط بھی اس کے ساتھ شامل کئے جائیں۔..... تو شاید یہ اندازہ کروڑ تک پہنچ جائے گا۔ مگر ہم صرف مالی مدد اور بیعت کنندوں کی آمد پر کفایت کر کے ان نشانوں کو تخمیناً دس لاکھ نشان قرار دیتے ہیں۔ بے حیا انسان کی زبان کو قابو میں لانا تو کسی نبی کے لئے ممکن نہیں ہوا"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۵۸ طبع اوّل)

پس نشانات کی تعداد کے متعلق حضور علیہ السلام کی تحریرات میں مختلف طریق سے اندازہ لگایا گیا ہے مبالغہ نہیں ہے۔

اسی طرح کشتی نوح کی محولہ عبارت کہ

"دیکھو زمین پر ہر روز خدا کے حکم سے ایک ساعت میں کروڑ ہا انسان مر جاتے ہیں"

(کشتی نوح ص۳۴ طبع اوّل)

یہ محاورۂ زبان ہے جو کثرت کے اظہار کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ گنتی کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ تمہارے جیسا عقلمند تو قرآن مجید کی آیت "مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی" پڑھ کر ان اندھوں کے لیے "سرمۂ تریاق چشم" تجویز کرنے بیٹھ جاتے گا۔ یا کفار کے لئے شَرُّ الْبَرِیَّةِ (البینہ:۷) کا لفظ دیکھ کر اُن کے فی الواقعہ جانور ہونے کا تصور کر لیگا؟

یہ تو تھا حقیقی جواب۔ لیکن ذرا یہ تو بتاؤ کہ "لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَةِ (بخاری کتاب الرقاق حدیث ۱) کے کیا معنے ہیں؟ کیا تم اور تمہارے سب لواحقین "مردہ" ہو؟ کیا دُنیا کے جملہ انسانوں میں سے ایک بھی زندہ نہیں ہے؟ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ یہ زندگی ہی نہیں ہے۔

پھر ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَیْشٍ (مسند احمد بن حنبل کتاب ۳ حدیث ۱۲۹) کہ امام اور امیر کے لئے قریشی النسل ہونا ضروری ہے۔ پھر فرمایا:

لَا یَزَالُ هٰذَا الْاَمْرُ فِیْ هٰذَا الْحَیِّ مِنْ قُرَیْشٍ (بخاری کتاب الاحکام باب الامراء من قریش) یعنی امیر کا قریشی ہونا ضروری ہے۔

مگر دوسری جگہ فرماتے ہیں :۔

"اِسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَاِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ"

(بخاری کتاب الاحکام باب السمع والطاعۃ للامام)

سو ان ہر دو اقوال کو نقل کرکے ابن خلدون لکھتا ہے :۔

"قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاِنْ وُلِّيَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ ذُوْ زَبِيْبَةٍ وَهٰذَا لَاتَقُوْمُ بِهٖ حُجَّةٌ فِيْ ذَالِكَ فَاِنَّهٗ خَرَجَ مَخْرَجَ التَّمْثِيْلِ وَالْفَرْضِ لِلْمُبَالِغَةِ فِيْ اِيْجَابِ السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ"

(مقدمہ ابن خلدون مصری صہ ۱۶۳ فصل الخامس والعشرون فی معنی الخلافۃ والامامۃ)

یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ اگر تم پر کوئی حبشی بھی حکمران بنایا جائے تو تم پر فرض ہے کہ تم اس کی اطاعت کرو۔ اس امر کی حجت نہیں ہو سکتا کہ امیر کے لئے قریشی النسل ہونا ضروری نہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطاعت اور فرمانبرداری پر زور دینے کے لئے تمثیل اور مبالغہ سے کام لیا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ کسی چیز پر زور دینے کے لئے مبالغہ سنّت نبویؐ ہے۔ پس تمہارا اعتراض باطل ہو گیا۔

تمہارے جیسا معترض تو شاید قرآن مجید کی آیت " وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ " (الاعراف : ۴۱) کو پڑھ کر ایسی سوئی کی تلاش میں نکل کھڑا ہو کہ جس کے ناکے میں سے اونٹ گذر سکے۔ اور نہ مل سکنے پر قرآن مجید پر مبالغہ آمیزی کا الزام لگانے لگ جاتے۔

اسی طرح حدیث شریف مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ " (مسلم کتاب الایمان ۱۰) اور دوسری مثالیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔

۲۶۔ تناقضات

اعتراض ۱۔ حضرت مرزا صاحب کے اقوال میں تناقض ہے ؟

جواب :۔ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے اقوال میں کوئی تناقض نہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ نبی پہلے ایک بات اپنی طرف سے کہے۔ مگر اس کے بعد خدا تعالیٰ اس کو بتا دے کہ یہ بات غلط ہے اور درست اس طرح ہے۔ تو دوسرا قول نبی کا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا ہوگا۔ لہٰذا تناقض نہ ہوا۔ تناقض کے لئے ضروری ہے کہ ایک ہی شخص کے اپنے دو اقوال میں تضاد ہو۔

۲۔ قرآن مجید میں ہے :۔

لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النسآء : ۸۳)

کہ اگر یہ خدا تعالیٰ کا کلام نہ ہوتا۔ بلکہ خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا۔ تو اس میں اختلاف ہوتا۔

پس ثابت ہوا کہ کلام اللہ کے سوا باقی سب کے کلام میں اختلاف ہونا چاہیئے۔

نبی بھی انسان ہے اور وہ بھی رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ : ۱۱۵) کی دُعا کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی کہ اے اللہ! میرا علم بڑھا۔ پس جو کلام نبی خدا کے بتاتے ہوتے علم سے پہلے کریگا وہ ہوسکتا ہے کہ اس کلام کے مخالف ہو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے دیا جاتے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کا قول قرآن مجید میں ہے کہ:-

"اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ" (ھود : ۴۶) کہ یقیناً میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے۔

مگر خدا تعالیٰ نے فرمایا:-

"اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِكَ" (سورۃ ھود : ۴۷) کہ وہ یقیناً آپ کے اہل میں سے نہیں ہے۔

اب اس وحی الٰہی کے بعد اگر حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کو اہل میں شمار نہ کریں (جیسا کہ واقعہ ہے) تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ پہلا قول حضرت نوح علیہ السلام کا اپنا خیال تھا۔ مگر دوسرا قول خدا کے بتاتے ہوتے علم کی بناء پر ہے ہاں الہام الٰہی میں اختلاف نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ علیم کل ہستی کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرماتا ہے:-

"وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ" (النسآء : ۱۱۴) کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ علم دیا ہے جو پہلے آپ کو نہ تھا۔ اَب ظاہر ہے کہ آپ کے زمانہ قبل از علم کے کلام اور زمانہ بعد از علم کے کلام میں اختلاف ہونا ضروری ہے۔ مگر یہ امر آپ کی نبوت کے منافی نہیں بلکہ ایک لحاظ سے دلیلِ صداقت ہے۔ کیونکہ یہ عدم تصنع پر دلالت کرتا ہے۔

اِسی قسم کا اختلاف وفاتِ مسیح کے مسئلہ کے متعلق ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام نے پہلے اپنا خیال براہین احمدیہ ہر چہار حصص ص۳۶۱ حاشیہ ص۵۲ درحاشیہ طبع اوّل میں لکھ دیا، لیکن بعد میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمایا۔ وہ بھی کچھ براہین احمدیہ اور کچھ بعد کی تحریرات میں درج فرمادیا۔ اب ظاہر ہے کہ وہ پہلا قول جس میں حضرت مسیح ناصریؑ کو زندہ قرار دیا گیا ہے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہے۔ مگر جس میں ان کو وفات یافتہ قرار دیا گیا ہے (کشتی نوح ص۹۱ طبع اوّل) وہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ پس ان میں تناقض نہ ہوا۔

۳۔ مندرجہ بالا قسم کی مثالیں حدیث میں بھی ہیں:-

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:- "لَا تُخَیِّرُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی" بخاری فی الخصومات باب ما ذکر فی الاشخاص والخصومۃ بین المسلم والیھودی جلد ۲ ص۳۷ مصری)۔ کہ مجھ کو موسیٰؑ سے اچھا نہ کہو۔

پھر فرماتے ہیں:-

"مَنْ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ یُّوْنُسَ بْنِ مَتّٰی فَقَدْ کَذَبَ" (بخاری کتاب التفسیر تفسیر زیر آیت اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ کَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ --- یونسؑ سورۃ نساء جلد ۳ ص۸۲ مصری) کہ جو یہ کہے کہ میں یونسؑ بن متی سے افضل ہوں وہ جھوٹا ہے۔

مسلم شریف کی حدیث میں آتا ہے:۔ "جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ إِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔" (مسلم جلد ۲ ص۳۰ کتاب الفتن و اشراط الساعۃ) کہ ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا۔ اور حضور صلعم کو مخاطب کرکے کہا۔ اے تمام انسانوں سے افضل! اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "وہ تو ابراہیم علیہ السلام ہیں۔" یعنی ابراہیم علیہ السلام تمام انسانوں سے افضل ہیں نہ کہ میں۔"

مشکوٰۃ ص۴۱۶ باب المفاخرۃ والعصبیۃ فصل الاول مطبع اصح المطابع پر اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں:۔ "قَوْلُهٗ ذَاكَ إِبْرَاهِيْمُ قِيْلَ ذَاكَ تَوَاضُعٌ مِنْهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقِيْلَ كَانَ قَبْلَ عِلْمِهٖ بِأَنَّهٗ سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ (مرقاۃ برحاشیہ مشکوٰۃ اصح المطابع ص۴۱۶ حاشیہ ۳) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانا کہ" وہ ابراہیم ہے؟" کہا گیا ہے کہ حضور کا یہ فرمانا از راہ انکسار تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضور صلعم نے جب یہ فرمایا تھا اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور صلعم کو ابھی یہ اطلاع نہ ملی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب انسانوں سے افضل ہیں۔ بعد میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ (ترمذی ابواب التفسیر سورۃ بنی اسرائیل ابواب المناقب) (کہ میں تمام انسانوں کا سردار ہوں اور یہ فخر نہیں ہے) اَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ اصح المطابع ص۵۱۱ باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم) میں قیامت کے روز تمام انسانوں کا سردار ہونگا۔ پھر فرمایا:۔ "اَنَا اِمَامُ النَّبِيِّيْنَ" "اَنَا سَيِّدُ النَّبِيِّيْنَ (فردوس الاخبار دیلمی ص۳۳ جلد ۳ نیا ایڈیشن) میں تمام نبیوں کا امام ہوں۔ میں تمام نبیوں کا سردار ہوں۔

۴۔ اس ضمن میں حُجَّةُ اللهِ الْبَالِغَةُ (حضرت سید شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی) کا مندرجہ ذیل حوالہ فیصلہ کن ہے:۔

اِعْلَمْ اَنَّ النَّسْخَ قِسْمَانِ اَحَدُهُمَا اَنْ يَّنْظُرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاِرْتِفَاقَاتِ اَوْ وُجُوْهِ الطَّاعَاتِ فَيَضْبِطَهَا بِوُجُوْهِ الضَّبْطِ عَلٰى قَوَانِيْنِ التَّشْرِيْعِ وَهُوَ اِجْتِهَادُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَا يُقَرِّرُهُ اللهُ بَلْ يَكْشِفُ عَلَيْهِ مَا قَضَى اللهُ فِي الْمَسْئَلَةِ مِنَ الْحُكْمِ اِمَّا بِنُزُوْلِ الْقُرْاٰنِ حَسَبَ ذَالِكَ اَوْ تَغَيُّرِ اجْتِهَادِهٖ اِلٰى ذٰلِكَ وَتَقْرِيْرِهٖ عَلَيْهِ مِثَالُ الْاَوَّلِ مَا اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاِسْتِقْبَالِ قِبَلَ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ بِنَسْخِهٖ وَمِثَالُ الثَّانِيْ اَنَّهٗ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْاِنْتِبَاذِ اِلَّا فِي السِّقَاءِ ثُمَّ اَبَاحَ لَهُمُ الْاِنْتِبَاذَ فِيْ كُلِّ اٰنِيَةٍ ------ وَعَلٰى هٰذَا التَّخْرِيْجِ هٰذَا مِثَالُ الْاِخْتِلَافِ الْحُكْمِ حَسَبَ اخْتِلَافِ الْمَظَنَّاتِ وَفِيْ هٰذَا الْقِسْمِ قَوْلُهٗ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَامِيْ لَا يَنْسَخُ كَلَامَ اللهِ وَكَلَامُ اللهِ يَنْسَخُ كَلَامِيْ۔ (حجۃ اللہ البالغہ مترجم جلد اص۲۳۷ و ص۲۳۸ باب اسباب النسخ)

اس عربی عبارت کا ترجمہ بھی اُسی کتاب سے نقل کیا جاتا ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:-

"جاننا چاہیئے کہ نسخ کی دو قسمیں ہیں (۱) یہ کہ پیغمبر (صلعم) امور نافع اور عبادات کے طریقوں میں خوض کرکے شریعت کے قوانین کے ڈھنگ پر اُن کو کردیتے ہیں۔ ایسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہاد سے ہوا کرتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ اس حکم واجتہاد کو باقی نہیں رکھتا۔ بلکہ اس حکم کو آنحضرت صلعم پر ظاہر کردیتا ہے۔ جو خدا نے اِس مسئلہ کے متعلق قرار دیا ہے اس حکم کا اظہار یوں ہوتا ہے کہ قرآن میں وہ وارد کیا جاتے یا اس طرح پر کہ آنحضرت صلعم کے اجتہاد ہی میں تبدیل ہوجاتے اور دوسرا اجتہاد آپ کے ذہن میں قرار پا جاتے۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے نماز میں بیت المقدس کی طرف مُنہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ پھر قرآن میں اِس حکم کی منسوخیت نازل ہوئی اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے بجز چھاگل کے ہر برتن میں نبیذ بنانے سے ممانعت کردی تھی۔ پھر ہر ایک برتن میں نبیذ بنانا لوگوں کے لئے جائز کردیا۔ اِس توجیہہ کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ موقعوں کے بدلنے سے حکم بدل جایا کرتا ہے۔ اِسی قسم کے متعلق آپ نے فرمایا کہ میرا کلام، کلام الٰہی کو منسوخ نہیں کرسکتا۔ اور کلام الٰہی میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے۔"

{ کتاب حجۃ اللہ البالغہ مع اُردو ترجمہ المسمیٰ بہ شموس اللہ البازغہ
مطبوعہ مطبع حمایت اسلام پریس لاہور جلد ۱ صفحہ ۲۳۶ و صفحہ ۲۳۹ باب ۴۷ }

اِس عبارت میں جو دوسری قسم نسخ کی بیان ہوئی ہے وہ خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ کیونکہ اس میں ضروری نہیں کہ وحی کے ذریعہ نبی کے پہلے حکم کو منسوخ کیا جاتے۔ بلکہ خود اللہ تعالیٰ کا تصرف قلب ملہم پر ہی ایسا ہوسکتا ہے۔ کہ وہ اپنے پہلے اجتہاد کو منسوخ کردے۔ مگر یہ پھر بھی تناقض نہ ہوگا کیونکہ پہلا خیال ملہم کا اپنا تھا۔ مگر دوسرا خیال خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

۵۔ حدیث شریف میں ہے:۔ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْسَخُ حَدِيْثَهٗ بَعْضُهٗ بَعْضًا (مسلم جلد ۱ کتاب الطہارت فی الحیض) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ایک قول سے اپنے ایک گذشتہ قول کو منسوخ کردیتے تھے۔

۶۔ بعض اوقات نبی اپنے اجتہاد اور خیال سے اپنی وحی یا الہام کے ایک معنے بیان کرتا ہے مگر بعد میں واقعات سے اس کے دوسرے معنے ظاہر ہوجاتے ہیں۔ جو وحی الٰہی کے تو مطابق ہوتے ہیں مگر نبی کے اپنے خیال یا اجتہاد کے مطابق نہیں ہوتے۔ مثلاً حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ آپ کی ہجرت ایسے شہر کی طرف ہوگی۔ جہاں بہت کھجوریں ہیں۔ آپ (صلعم) نے سمجھا کہ اس سے مُراد یمامہ یا ہجر ہیں۔ لیکن وہ درحقیقت مدینہ شریف تھا۔ جیسا کہ بعد کے واقعات سے معلوم ہوا۔

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۴۳ مصری)

۷۔ بعض دفعہ تحقیقات کے بعد نبی کی رائے بدل جاتی ہے۔ مثلاً بخاری شریف میں حدیث ہے کہ:۔

"اَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنِيْ حَارِثَةَ فَقَالَ اَرَاكُمْ يَا بَنِيْ حَارِثَةَ قَدْ خَرَجْتُمْ مِنَ الْحَرَمِ ثُمَّ الْتَفَتَ فَقَالَ بَلْ اَنْتُمْ فِيْهِ"

(بخاری کتاب الحج باب حرم مدینہ جلد ۱ صفحہ ۲۵۱ مصری - و تجرید بخاری مترجم اُردو مع متن حصہ اوّل صفحہ ۳۵۶)

یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قبیلہ بنو حارث کے ہاں گئے اور فرمایا کہ بنی حارثہ! میرا خیال ہے کہ "تم لوگ حرم سے باہر نکل گئے ہو" پھر حضور (صلعم) نے اِدھر اُدھر دیکھا اور فرمایا "نہیں تم حرم کے اندر ہی ہو"

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خیال کہ "قَدْ خَرَجْتُمْ مِنَ الْحَرَمِ" اور دوسرے خیال کہ "بَلْ اَنْتُمْ فِيْهِ" میں تناقض ہے یا نہیں؟ یہ اسی طرح کا تناقض ہے کہ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے ایک انگریز مؤرخ کی تحقیق کے پیش نظر مسیح ناصری علیہ السلام کی قبر شام میں لکھی، لیکن بعد میں تحقیقات اور الہام الہٰی سے معلوم ہوا کہ قبر مسیح کشمیر میں ہے۔ تب آپ نے پہلے خیال کی تردید کر دی۔

نوٹ :- مندرجہ بالا حدیث کے جواب میں یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے جو بنو حارثہ کو حرم سے باہر قرار دیا تو "یہ ظن اور گمان کے تحت فرمایا" (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۱۴۲) محض دفع الوقتی ہے۔ کیونکہ ہمارا مقصود صرف یہ دکھانا ہے کہ بعض اوقات نبی ایک خیال کا اظہار کرتا ہے مگر بعد میں تحقیق سے وہ خیال غلط ثابت ہونے پر نبی اُس کی تردید کر دیتا ہے اور یہ امر خلافِ نبوت نہیں۔

۸- حدیث میں ہے کہ :-

"كَانَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ اَهْلِ الْكِتَابِ فِيْمَا لَمْ يُؤْمَرْ بِهِ"

(مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ مصر)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن تمام اُمور میں یہود اور نصاریٰ کی موافقت کرتے تھے جن کے متعلق خود حضور صلعم کو کوئی حکم نہ ملا تھا۔

۹- قرآن مجید کی آیات کے متعلق بھی مخالفینِ اسلام نے اعتراض کیا ہے کہ ان میں اختلاف ہے جماعتِ احمدیہ تو خدا کے فضل سے نہ قرآنِ مجید میں تناقض اور اختلاف کی قائل ہے۔ نہ ناسخ منسوخ فی القرآن کو ہم مانتے ہیں۔ لیکن ان اعتراضات کے وزنی ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ تم لوگوں نے تنگ آ کر اور لاجواب ہو کر یہ تسلیم کر لیا کہ قرآن مجید کی بعض آیات بعض کی ناسخ ہیں۔ گویا جن آیات کے مضمون میں اختلاف نظر آیا اور جن میں باہم تطبیق نہ ہو سکی۔ اُن میں سے جو پہلے نازل ہوئی وہ منسوخ اور جو بعد میں نازل ہوئی وہ اُس کی ناسخ قرار دی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

"عَلٰى مَا حَرَّرْتُ لَا تَتَعَيَّنُ النَّسْخُ اِلَّا فِيْ خَمْسِ مَوَاضِعَ" (الفوز الکبیر صفحہ ۲۱،۱۸) کہ میری تحریر کی رُو سے قرآنِ مجید کی صرف پانچ آیات منسوخ ثابت ہوتی ہیں۔

قرآن مجید کی منسوخ قرار دی جانے والی آیات میں سے چند درج ذیل ہیں :-

(۱) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ۔
(الانفال : ۱۶) (تفسیر قادری مترجم جلد ۱ صفحہ ۳۶۱)

(۲) "اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ۔" (الانفال : ۶۶)
(تفسیر قادری جلد ۱ صفحہ ۳۰۴)

(دیگر آیات کے لئے دیکھو تفسیر حسینی جلد ۱ صفحہ ۳۹ و صفحہ ۴۵۳)

پس تم لوگوں کے مُنہ سے (جو قرآن مجید میں بھی اختلاف اور تناقض کے قائل ہیں) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے اقوال میں تناقض کا الزام کچھ بھلا معلوم نہیں دیتا۔

۱۰۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں :۔

"آپ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے لوگوں کی مشرکانہ عادت دیکھ کر قبرستان کی زیارت سے منع فرمایا۔ بعد اصلاح اجازت دے دی۔ اور اُن کے بخل کو مٹانے کی غرض سے قربانیوں کے گوشت تین روز سے زائد رکھنے سے منع کر دیا تھا۔ جس کی بعد میں اجازت دے دی۔ ایسا ہی شراب کے برتنوں میں کھانا پینا منع کیا تھا۔ مگر بعد میں اُن کے استعمال کی اجازت بخشی۔"

(تفسیر ثنائی مولفہ مولوی ثناء اللہ امرتسری جلد ۱ صفحہ ۱۳۲ حاشیہ)

۱۱۔ ہم ضمن ۴ میں اشارہ کر آئے ہیں کہ قرآن مجید کی آیات کے متعلق بھی منکرین اسلام نے تمہاری طرح یہ کہہ کر کہ ان میں اختلاف ہے اپنی بد باطنی کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ پنڈت دیانند بانی آریہ سماج اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھتا ہے :۔

"کہیں خدا کو محیطِ کل لکھا ہے اور کہیں محدود المکان۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن ایک شخص کا بنایا ہوا نہیں ہے بلکہ بہت لوگوں کا بنایا ہوا ہے۔" (ستیارتھ باب ۱۴ دفعہ ۹۲ صفحہ ۴۳۰)

"کہیں قرآن میں لکھا ہے کہ اونچی آواز سے اپنے پروردگار کو پکارو۔ اور کہیں لکھا ہے کہ دھیمی آواز سے خدا کو یاد کرو۔ اب کہیئے کونسی بات سچی اور کونسی جھوٹی ہے۔ ایک دوسرے کے متضاد باتیں پاگلوں کی بکواس کی مانند ہوتی ہیں۔" (ستیارتھ پرکاش باب ۱۴ دفعہ ۵، صفحہ ۴۳۴)

چنانچہ چند آیاتِ قرآنی بطور نمونہ لکھی جاتی ہیں۔ جن میں تمہارے جیسے بد باطن دشمنوں کو اپنی کوتاہ فہمی سے تناقض اور اختلاف معلوم ہوتا ہے :۔

(۱) یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ (التوبہ : ۷۳)
یعنی اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کر۔ اور اُن پر سختی کر۔

اور دوسرے مقام پر فرماتا ہے :۔ "لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" (البقرۃ : ۲۵۷) کہ دین میں جبر جائز نہیں۔

(۲) "وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی۔" (الضحٰی : ۸) کہ اے نبی! ہم نے آپ کو "ضال" پایا اور ہدایت دی۔ مگر دوسری جگہ فرمایا :۔ "مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی (النجم : ۳) کہ آنحضرت صلعم "ضال"

نہیں ہوتے۔

نوٹ:۔ محمدیہ پاکٹ بک کے مصنف نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ پہلی آیت میں "ضال" بمعنی گمراہ نہیں۔ بلکہ "طالب خیر" اور متلاشی کے معنوں میں ہے۔ مگر دوسری آیت میں بمعنی "گمراہ" ہے۔ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ اس سے ثابت ہوگیا کہ بعض دفعہ دو عبارتوں میں ایک ہی لفظ کا استعمال ایک جگہ بصورت ایجاب مگر دوسری جگہ بصورت سلب ہوتا ہے۔ مگر اس لفظ کے مختلف معانی ہونے کے باعث دونوں جگہ اس کے دو الگ الگ مفہوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان میں تناقض قرار دینا تمہارے جیسے "سیاہ باطن" انسانوں ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح حضرت اقدس علیہ السلام کی تحریرات میں مسیح یا انجیل یا نبوت کے الفاظ دو مختلف مفہوموں کے لحاظ سے استعمال ہوتے ہیں۔ کسی جگہ مسیح سے مراد انجیلی یسوع ہے اور کسی جگہ قرآنی مسیح علیہ السلام۔ اسی طرح کسی جگہ انجیل سے مراد محرّف و مبدل انجیل ہے اور کسی جگہ اصل انجیل جو مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ کسی جگہ نبوت سے مراد تشریعی براہ راست نبوت ہے (اور اس کی اپنے متعلق نفی فرمائی ہے) مگر دوسری جگہ نبوت سے مراد بالواسطہ غیر تشریعی نبوت ہے (اور اس کو اپنے وجود میں تسلیم فرمایا ہے) پس ایسی تحریرات کو متناقض اور متخالف قرار دینا بھی انتہائی سیہ باطنی ہے۔ (خادم)

(۳) اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے:۔ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (الانفال: ۳) کہ جب مومنوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل جوش مارنے لگ جاتے ہیں۔ مگر دوسری جگہ فرمایا:۔ "اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد: ۲۹) کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل میں سکون اور اطمینان پیدا ہوتا ہے۔

(۴) ایک جگہ فرمایا:۔ "اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى" (الضحٰی: ۷) کہ اے نبی! ہم نے تجھے یتیم پایا اور تجھے اپنی پناہ میں لے لیا۔ مگر دوسری جگہ فرمایا:۔ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ۔ (سورۃ بنی اسرائیل: ۲۴) کہ تو اپنے والدین کو اُف تک نہ کہہ۔

(۵) ایک جگہ فرمایا:۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ...... فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔ (النسآء: ۴) کہ دو دو چار چار بیویاں کر لو۔ اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے۔ تو پھر ایک ہی کرو۔ مگر دوسری جگہ فرمایا:۔ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ (النساء: ۱۳۰) کہ تم ہرگز اپنی بیویوں میں انصاف نہیں کر سکو گے۔ خواہ تم کتنی خواہش کرو۔

غرضیکہ اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ گو بظاہر ان میں اختلاف اور تناقض معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت تناقض نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک ان میں تناقض کی وحدتیں پائی نہیں جاتیں۔ ہر ایک ان میں سے مختلف مواقع پر مختلف حالات کے لحاظ سے مختلف مضامین کی حامل ہیں۔ لہٰذا بوجہ عدم تحقق وحدت ان میں تناقض نہیں بعینہٖ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال میں بھی درحقیقت کوئی تناقض یا اختلاف نہیں۔ مگر جس طرح دشمنانِ اسلام نے قرآن مجید پر تناقض

اور اختلاف کا جھوٹا الزام لگایا تھا۔ اسی طرح دشمنانِ احمدیت نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال کے متعلق تناقض کا الزام لگایا ہے۔ پس تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ (البقرۃ : ۱۱۹) کے مطابق دونوں اعتراض کنندگان غلطی پر ہیں۔ نہ قرآن مجید میں اختلاف اور نہ خادم قرآن حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال میں حقیقی تناقض ہے۔

اب ہم ذیل میں اُن مقامات کو لیتے ہیں جن کو پیش کر کے مخالفین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال میں تناقض ثابت کرنے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں۔

تناقض کی تعریف

لیکن قبل اس کے کہ ہم مفصّل بحث کریں۔ تناقض کی تعریف از روئے منطق درج کرتے ہیں۔ مشہور شعر ہیں ؎

در تناقض ہشت وحدت شرط واں ٭ وحدتِ موضوع[۱] و محمول[۲] و مکاں[۳]
وحدتِ شرط[۴] و اضافت[۵]۔ جزو[۶] کل ٭ قوت[۷] و فعل است در آخر زماں[۸]

یعنی موضوع۔ محمول۔ مکان۔ شرط۔ اضافت۔ جزو کل اور بالقوۃ و بالفعل اور زمانہ کے لحاظ سے اگر دو قضیئے متفق ہوں۔ مگر اُن میں ایجاب و سلب کا اختلاف بلحاظِ حکم اور موجبہ میں کیفیت اور محصورہ میں کمیت کا اختلاف ہو تو وہ دونوں قضیئے متناقض کہلائیں گے۔

۲۷۔ کسی سے قرآن پڑھنا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب "ایام الصلح" اُردو کے صفحہ ۱۴۷ طبع اوّل پر تحریر فرمایا ہے:۔
"کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ مَیں نے کسی انسان سے قرآن یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے۔"

لیکن دوسری جگہ کتاب البریہ صفحہ ۱۴۹ پر رقم فرماتے ہیں:۔
"جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خوان معلّم میرے لیے نوکر رکھا گیا جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں۔"

(کتاب البریہ در روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۱۸۰ حاشیہ)

جواب:۔ اس کے متعلق گذارش یہ ہے کہ اعتراض کرتے وقت علمائے بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلتے ہوئے از راہ تحریف ایام الصلح صفحہ ۱۴۷ کی نصف عبارت پیش کرتے ہیں۔ اصل حقیقت کو واضح کرنے کے لیے عبارت متنازعہ کا مکمل فقرہ درج ذیل ہے:۔

"سو آنے والے کا نام جو "مہدی" رکھا گیا۔ سو اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ آنے والا علمِ دین خدا سے ہی حاصل کریگا اور قرآن اور حدیث میں کسی اُستاد کا شاگرد نہیں ہوگا۔ سو مَیں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرا

یہی حال ہے۔ کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن، حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے۔ پس یہی مہدویت ہے جو نبوتِ محمدیہ کے منہاج پر مجھے حاصل ہوئی ہے اور اسرارِ دین بلا واسطہ میرے پر کھولے گئے۔" (ایام الصلح صفحہ ۱۴۷ طبع اوّل)

معترض کی پیش کردہ عبارت کے سیاق میں "علم دین" اور سیاق میں "اسرارِ دین" کے الفاظ صاف طور پر مذکور ہیں۔ جن سے ہر اہلِ انصاف پر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس عبارت میں قرآن کریم کے ناظرہ پڑھنے کا سوال نہیں۔ بلکہ اسکے معانی و مطالب، حقائق و معارف کے سیکھنے کا سوال ہے اور عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے موعود کا نام جو مہدی رکھا۔ تو وہ اس لحاظ سے ہے کہ وہ علوم و اسرارِ دین کسی انسان سے نہیں سیکھیگا۔ گویا حقائق و معارف قرآن مجید میں اُس کا کوئی اُستاد نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس لحاظ سے میرا بھی کوئی اُستاد نہیں جس سے میں نے "علم دین" یا "اسرار دین" کی تعلیم پائی ہو اور ظاہر ہے کہ قرآنِ مجید کے الفاظ کا بلا ترجمہ و تشریح کسی شخص سے پڑھنا۔ علم و اسرارِ دین سیکھنے کے مترادف نہیں ہے کیونکہ "الفاظ قرآن" اور "علم قرآن" میں خود قرآن مجید نے فرق کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ـ" (سورة الجمعه : ۳) کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے۔ آپ لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات (یعنی الفاظ قرآن) پڑھتے، اُن کا تزکیہ نفس کرتے اور اُن کو کتاب (یعنی قرآن مجید) اور حکمت کا "علم" بھی دیتے ہیں۔

اس آیت میں يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ کے الفاظ میں "الفاظ قرآن" کا ذکر فرمایا ہے اور يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ فرما کر قرآن مجید کے مطالب و معانی اور حقائق و معارف کا تذکرہ فرمایا ہے پس مندرجہ بالا آیت سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ صرف "قرآن کا پڑھنا" علم قرآن حاصل کرنا نہیں ہے۔ یا یوں کہو کہ الفاظِ قرآن کے کسی شخص سے پڑھنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ علمِ دین بھی اس شخص سے حاصل کیا گیا۔

دوسری عبارت جو معترضین کتاب البریہ صفحہ ۱۴۹ حاشیہ سے پیش کرتے ہیں۔ اس میں صرف اس قدر ذکر ہے کہ چھ برس کی عمر میں ایک اُستاد سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن مجید پڑھا۔ اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضور نے "علم دین" یا "اسرار دین" یا قرآن مجید کے حقائق و معارف یا معانی و مطالب کسی شخص سے پڑھے تا یہ خیال ہو سکے کہ حضرت مسیح موعود کی دونوں عبارتوں میں تناقض ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ کتاب البریہ کی عبارت میں چھ برس کی عمر میں ایک اُستاد سے قرآن مجید ناظرہ پڑھنے کا ذکر ہے اور ایام الصلح صفحہ ۱۴۷ کی عبارت میں کسی شخص سے قرآن مجید کے مطالب و معارف سیکھنے کی نفی کی گئی ہے۔ گویا جس چیز کی نفی ہے وہ اَور ہے اور دوسری جگہ جس چیز کا اثبات ہے وہ اَور ہے۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

ممکن ہے کوئی معترض یہ کہے کہ سیاق وسباق دیکھنے کی کیا ضرورت ہے دونوں عبارتوں میں قرآن مجید ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ہم تو دونوں جگہ اس کے ایک ہی معنے لیں گے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک جگہ ایک لفظ بول کر نفی کی ہو۔ اور دوسری جگہ اسی لفظ کا استعمال کر کے اس کا اثبات کیا گیا ہو۔ مگر اس کے باوجود مفہوم اس لفظ کا دونو جگہ مختلف ہو۔ بغرض تشریح دو مثالیں لکھتا ہوں۔

ایک مثال

۱۔ قرآن مجید کی رو سے بحالت روزہ بیوی سے مباشرت ممنوع ہے۔ مگر بخاری، مسلم ومشکوٰۃ تینوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ ذیل روایت درج ہے۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلعم يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ وَكَانَ اَمْلَكَكُمْ لِاِرْبِهٖ۔

(بخاری جلد ا کتاب الصوم باب المباشرۃ للصائم ومشکوٰۃ ص۱۷۶ مطبع اصح المطابع باب تنزیہ الصوم وتجرید بخاری جلد ا صفحہ ۳۷۰)

کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزہ میں ازواج کے بوسے لے لیا کرتے تھے۔ اور اُن سے مباشرت کرتے تھے۔ اس حالت میں کہ آپ کا روزہ ہوتا تھا، مگر آپ اپنی خواہش پر تم سب سے زیادہ قابو رکھتے تھے۔

اب کیا قرآن کریم کے حکم لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ (البقرۃ: ۱۸۸) کو مندرجہ بالا روایت کے الفاظ يُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ کے بالمقابل رکھ کر کوئی ایماندار شخص یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ دونوں جگہ ایک ہی چیز کی نفی اور ایک ہی چیز کا اثبات کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حدیث مندرجہ بالا میں "مباشرت" سے مراد مجامعت نہیں۔ بلکہ محض عورت کے قریب ہونا ہے اور اس پر قرینہ اسی روایت کا اگلا جملہ وَكَانَ اَمْلَكَكُمْ لِاِرْبِهٖ ہے، لیکن اس کے برعکس قرآن مجید میں لفظ مباشرت آیا ہے وہاں اس سے مراد "مجامعت" ہے۔ پس گو دونوں جگہ لفظ ایک ہی استعمال ہوا ہے مگر اس کا مفہوم دونوں جگہ مختلف ہے اور سیاق وسباق عبارت سے ہمارے لئے اس فرق کا سمجھنا نہایت آسان ہے۔

دوسری مثال

قرآن مجید میں ہی ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى (النجم: ۳) کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم "ضالّ" نہیں ہوئے اور نہ راہ راست سے بھٹکے، لیکن دوسری جگہ فرمایا۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (الضحٰی: ۸) کہ اے رسول! ہم نے آپ کو "ضالّ" پایا اور آپکو ہدایت دی۔

دونوں جگہ "ضالّ" ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایک جگہ اس کی نفی کی گئی ہے مگر دوسری جگہ اس کا اثبات ہے۔ کیا کوئی ایماندار کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں عبارتوں میں تناقض ہے۔ ہرگز نہیں، کیونکہ ہر اہل علم دونوں عبارتوں کے سیاق و سباق سے سمجھ سکتا ہے کہ دونوں جگہ لفظ "ضالّ" ایک معنے میں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ دونوں جگہ اس کا مفہوم مختلف ہے۔ ایک جگہ اگر گمراہ" مراد ہے اور اُس کی نفی ہے۔ تو دوسری طرف تلاش کرنے والا قرار دینا مقصود ہے اور اس امر کا اثبات ہے۔ پس ہمارے مخالفین کا یہ کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کرنا کہ لفظ دونوں جگہ ایک ہی ہے سیاق و سباق عبارت دیکھنے کی کیا ضرورت ہے" حد درجہ کی ناانصافی ہے۔

قرآنِ کریم کا ترجمہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی سے نہیں پڑھا

ہم معترض کی پیش کردہ دونوں عبارتوں پر اُن کے سیاق و سباق کے لحاظ سے جب غور کرتے ہیں۔ تو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کتاب البریہ صفحہ ۱۴۹ کی عبارت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ ذکر فرمایا ہے، کہ میری چھ سات سال کی عمر میں میرے والد صاحب نے میرے لئے ایک اُستاد مقرر کیا۔ جن سے مَیں نے قرآن مجید پڑھا۔ اور ہر عقلمند انسان بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ چھ سات سال کے عرصہ میں بچہ قرآن مجید کے معانی و مطالب اور حقائق و معارف سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا۔ پس یہ امر تسلیم ہی نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت کے والد بزرگوار نے چھ سات سال کی عمر کے بچہ کو معارفِ قرآنیہ سکھانے کے لئے ایک اُستاد مقرر کیا ہو۔ پس اس عبارت میں چھ سات سال کی عمر کا قرینہ ہی اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ حضور نے اس حوالہ میں قرآن مجید کے مجرد الفاظ کا اُستاد سے پڑھنا تسلیم فرمایا ہے۔ مگر حضور کی کسی تحریر سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن مجید کا ترجمہ یا قرآنی مطالب بھی حضور نے خدا کے سوا کسی اُستاد سے پڑھے ہوں۔ اس کے بالمقابل معترض کی پیش کردہ عبارت از "ایام الصلح" صفحہ ۱۴۷ طبع اول میں حضرت نے صاف لفظوں میں یہ فرمایا ہے۔ علم دین اور "اسرار دین" کے لحاظ سے قرآن مجید کسی سے نہیں پڑھا۔ اور یہ حقیقت ہے جس کی نفی کسی دوسری عبارت میں نہیں کی گئی۔

اس امر کے ثبوت میں کہ "ایام الصلح" کی عبارت میں قرآن مجید کے الفاظ کا ذکر نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کے معانی و مطالب کے کسی انسان سے سیکھنے کی نفی ہے۔ ہم ایام الصلح کی عبارت کا سیاق و سباق اور اس کا مضمون دیکھتے ہیں۔ ایام الصلح کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس موقعہ پر اپنے دعوئ مہدویت کی صداقت کے دلائل کے ضمن میں ایک دلیل ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

(۱) "آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا ہے۔ سو اس میں یہی اشارہ ہے کہ وہ آنے والا علمِ دین خدا سے ہی حاصل کریگا اور قرآن اور حدیث میں کسی اُستاد کا شاگرد نہیں ہوگا۔ سو مَیں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرا یہی حال ہے کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ کسی شخص سے مَیں نے قرآن یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے پس یہی مہدویت ہے جو نبوتِ محمدیّہ کے منہاج پر مجھے حاصل ہوئی ہے اور اسرارِ دین بلا واسطہ مجھ پر کھولے گئے۔"

(ایام الصلح صفحہ ۱۴۷ طبع اوّل)

(ب) اس مضمون پر بحث کرتے ہوئے ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں :-

"مہدویت سے مُراد وہ بے انتہا معارفِ الٰہیہ اور علوم حکمیہ اور علمی برکات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر واسطہ کسی اُستاد کے علمِ دین کے متعلق سکھائے گئے۔"

(ایام الصلح صفحہ ۱۴۹ طبع اوّل)

اس عبارت میں بعینہٖ وہی مضمون ہے جو معترض کی پیش کردہ عبارت میں ہے اور اس کے ساتھ ہی اس میں ان الفاظ کی مکمل تشریح بھی موجود ہے جن کے اجمال سے معترض نے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی ناکام کوشش کی ہے۔

(ج) اگلے صفحہ پر اسی مضمون کو مندرجہ ذیل الفاظ میں سہ کرر بیان فرمایا ہے۔

رُوحانی اور غیر فانی برکتیں جو ہدایتِ کاملہ اور قوتِ ایمانی کے عطا کرنے اور معارف اور لطائف اور اسرارِ الٰہیہ اور علوم حکمیہ کے سکھانے سے مُراد ہے۔ ان کے پانے کے لحاظ سے وہ مہدی کہلائیگا۔"

(ایام الصلح صفحہ ۱۵۰ طبع اوّل)

اس عبارت میں بھی "مہدویت" کی تعریف کو دہرایا گیا ہے۔ "معارف"۔ "لطائف" اور اسرارِ الٰہیہ اور علوم حکمیہ" کے الفاظ اس بات کی قطعی دلیل ہیں کہ معترض کی پیش کردہ صفحہ ۱۴۷ والی عبارت میں بھی انہی امور کا ذکر ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ پڑھنے کا ذکر نہیں۔ جیسا کہ اس عبارت میں "علم دین اور اسرار دین" کے الفاظ اس پر گواہی دے رہے ہیں اور جن کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے۔

(د) اسی دلیل کو اور زیادہ وضاحت سے بیان کرتے ہوئے صفحہ ۱۵۶ پر حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں :-

"ہزارہا اسرارِ علمِ دین کُھل گئے۔ قرآنی معارف اور حقائق ظاہر ہوتے۔ کیا ان باتوں کا پہلے نشان تھا؟"

اس عبارت میں بھی حضورؑ نے جن چیزوں کے خدا تعالیٰ سے سیکھنے کا ذکر فرمایا ہے وہ قرآنی معارف وحقائق ہیں۔ نہ کہ الفاظ قرآنی!

(ہ) آگے چل کر بطورِ نتیجہ تحریر فرماتے ہیں :- "سو میری کتابوں میں اُن برکات کا نمونہ بہت کچھ موجود ہے۔ براہین احمدیہ سے لے کر آج تک جسقدر متفرق کتابوں میں اسرارِ اور نکاتِ دین خدا تعالیٰ نے میری زبان پر باوجود نہ ہونے کسی اُستاد کے جاری کئے ہیں۔۔۔۔ اُس کی نظیر اگر موجود ہے تو کوئی صاحب پیش کریں۔"

(ایام الصلح صفحہ ۱۵۸ طبع اوّل)

(و) پھر فرماتے ہیں :-

"جو دینی اور قرآنی معارف، حقائق اور اسرار مع لوازم بلاغت وفصاحت کے میں لکھ سکتا ہوں، دوسرا ہرگز نہیں لکھ سکتا۔ اگر ایک دُنیا جمع ہو کر میرے اس امتحان کے لیے آئے تو مجھے غالب پائے گی۔"

(ایضاً صفحہ ۱۵۹ و ایضاً صفحہ ۴۰۷)

(ز) اس عبارت پر حاشیہ لکھتے ہیں :- "مہوتسو کے جلسہ میں بھی اس کا امتحان ہو چکا ہے۔"

(ایضاً حاشیہ)

(۷) اسی طرح صفحہ ۱۶۳ پر بھی حقائق و معارف اور نکات اور اسرارِ شریعت کے الفاظ موجود ہیں غرضیکہ "ایام الصلح" کے مندرجہ بالا اقتباسات سے جو سب کے سب معترضین کی پیش کردہ عبارت کے ساتھ ملحق ہیں یہ امر روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی انسان سے جس چیز کے پڑھنے کی نفی فرمائی ہے۔ وہ قرآنی الفاظ نہیں بلکہ حقائق و معارف قرآنیہ ہیں۔ حضرت اقدسؑ نے "ایام الصلح" یا کسی اور کتاب میں ایک جگہ بھی یہ تحریر نہیں فرمایا کہ مَیں نے قرآن مجید ناظرہ بھی کسی شخص سے نہیں پڑھا۔ نہ یہ چیلنج دیا ہے کہ مَیں استاد نہ ہونے کے باوجود قرآن مجید کے الفاظ اچھی طرح پڑھ سکتا ہوں۔ اور یہ کہ فنِ قرآت میں میرا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہاں حضورؑ نے یہ دعویٰ ضرور فرمایا ہے کہ قرآن مجید کے حقائق و معارف، مطالب اور نکات حضورؑ کے الہام "اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ" (تذکرہ صفحہ ۴۳ ایڈیشن سوم) کے مطابق حضور کو براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوئے اور اس لحاظ سے یقیناً حضور علیہ السلام نے قرآن مجید کسی انسان سے نہیں پڑھا۔ اور اسی امر کا دعویٰ حضور علیہ السلام نے ایام الصلح صفحہ ۱۴۷ پر بھی کیا ہے۔ جس کو معاندین جماعت احمدیہ انتہائی ناانصافی سے بطور اعتراض پیش کر کے ناواقف لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں ؎

وَمِنْ تَلْبِیْسِهِمْ قَدْ حَرَّفُوا الْاَلْفَاظَ تَفْسِیْرًا
وَقَدْ بَانَتْ ضَلَالَتُهُمْ وَلَوْ اَلْقَوْا مَعَاذِیْرًا (المسیح الموعودؑ)

(نور الحق جلد اوّل صفحہ ۱۳۵ طبع اوّل)

۲۸۔ حضرت مسیحؑ کی چڑیوں کی پرواز

مرزا صاحب نے آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۶۸ طبع اوّل میں لکھا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی چڑیوں کا پرواز قرآن مجید سے ثابت ہے، لیکن ازالہ اوہام صفحہ ۳۰۷ طبع اوّل حاشیہ پر لکھا ہے کہ پرواز ثابت نہیں؟

جواب:۔ اصل عبارتیں درج ذیل ہیں:۔

"اِس فن (علم الترب) کے ذریعہ سے ایک جماد میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ جانداروں کی طرح چلنے لگتا ہے۔ تو پھر اگر اس میں پرواز بھی ہو۔ تو بعید کیا ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسا جانور جو مٹی یا لکڑی وغیرہ سے بنایا جائے اور عمل الترب سے اپنی رُوح کی گرمی اُس کو پہنچائی جاوے۔ وہ درحقیقت زندہ نہیں ہوتا۔ بلکہ بدستور بے جان اور جماد ہوتا ہے۔ صرف عامل کی روح کی گرمی بارود کی طرح اس کو جنبش میں لاتی ہے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ان پرندوں کا پرواز کرنا قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا ہلنا اور جنبش کرنا بھی بپایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ اور نہ درحقیقت اُن کا زندہ ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۳۰۷ حاشیہ طبع اوّل)

آئینہ کمالات اسلام کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:۔

"حضرت مسیحؑ کی چڑیاں باوجودیکہ معجزہ کے طور پر اُن کا پرواز قرآن کریم سے ثابت ہے۔ مگر پھر بھی مٹی کی مٹی ہی تھیں اور کہیں خدا تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ وہ زندہ بھی ہو گئیں۔" (صفحہ ۶۸ طبع اوّل ۱۸۹۳ء)

پس کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ انکار حقیقی زندگی کے ساتھ سچ مچ کے پرواز کا ہے اور اقرار غیر حقیقی اور عارضی پرواز کا۔

۲۹۔ مُریدوں کی تعداد

مرزا صاحب نے پہلے اپنے مُریدوں کی تعداد پانچ ہزار (انجام آتھم ص۳۱۵) بیان کی، لیکن جب ایک سال کے بعد ہی انکم ٹیکس کا سوال ہوا۔ تو جھٹ لکھ دیا کہ میرے مریدوں کی تعداد دوصد ہے۔

(ضرورت الامام ص۴۳ طبع اوّل)

جواب :۔ پہلی تعداد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مُریدوں کی عورتوں اور بچوں سمیت مجموعی لکھی ہے اور دوسری "ضرورت الامام ص۴۳ طبع اوّل" والی تعداد صرف چندہ دینے والوں کی ہے۔ اس میں چندہ نہ دینے والے بچے اور عورتیں شامل نہیں ہیں۔ کیا اس فہرست میں حضرت اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ وغیرہ کے نام بھی درج ہیں ؟ ظاہر ہے کہ موخر الذکر موقعہ پر سوال آمدنی کا تھا اور وہی لسٹ مطلوب تھی جوان لوگوں کی ہو جو خود کماتے اور چندہ دیتے ہیں۔ پس جب مجسٹریٹ نے ان لوگوں کی لسٹ طلب کی جو چندہ دیتے تھے۔ تو کیا اس کے جواب میں ان لوگوں کی فہرست دے دی جاتی جو چندہ نہیں دیتے تھے ؟

بریں عقل و دانش۔ بباید گریست

۳۰۔ مُنکرین پر فتوائے کُفر

اعتراض :۔ مرزا صاحب تریاق القلوب ص۱۳۰ طبع اوّل متن وحاشیہ میں لکھتے ہیں کہ :۔
"میرے دعویٰ کے انکار سے کوئی کافر یا دجّال نہیں ہوسکتا" مگر عبدالحکیم مُرتد کو لکھتے ہیں کہ جس شخص کو میری دعوت پہنچی ہے اور وہ مجھے نہیں مانتا وہ مسلمان نہیں ہے ؟

جواب ۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اس اعتراض کا مفصل جواب حقیقۃ الوحی ص۱۶۵ تا ص۱۶۸ طبع اوّل پر دیا ہے۔ وہاں سے دیکھا جائے۔

۲۔ پہلی عبارت میں لکھا ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار سے کوئی کافر نہیں ہوتا۔ کیونکہ "اپنے دعوے کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا"..... انہی نبیوں کی شان ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نئی شریعت لاتے ہیں۔ گویا صرف تشریعی نبی کا انکار کُفر ہے۔ اب حقیقۃ الوحی میں حضرت نے اپنے دعویٰ کے متعلق لکھا ہے کہ :۔

"جو مجھے نہیں مانتا۔ خُدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔ کیونکہ میری نسبت خدا اور رسول کی پیشگوئی موجود ہے"
(حقیقۃ الوحی ص۱۶۳ طبع اوّل)

"جو شخص خدا اور رسول کے بیان کو نہیں مانتا..... تو وہ مومن کیونکر ہوسکتا ہے"؟ (ایضاً ص۱۶۴)

پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار خواہ اپنی ذات میں کفر نہ ہو۔ مگر بوجہ اسکے کہ آپ کا انکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (جو تشریعی نبی ہیں) کے انکار کو مستلزم ہے لہٰذا کفر ہے۔ پس دونوں عبارتوں میں کوئی تناقض نہیں۔ کیونکہ "تریاق القلوب" ص۱۳۰ طبع اوّل کی عبارت میں بتایا گیا ہے کہ غیر تشریعی انبیاء کا انکار بالذات کفر نہیں ہوتا۔ اور حقیقۃ الوحی ص۱۶۳ طبع اوّل کی عبارت میں بتایا گیا ہے کہ چونکہ غیر تشریعی نبی کا انکار مستلزم ہوتا ہے۔ تشریعی نبی کے انکار کو اس لیے وہ بالواسطہ کفر ہے۔

۲۱۔ تشریعی نبوت کا دعویٰ

حضرت مرزا صاحب نے اپنی متعدد تصانیف میں تحریر فرمایا ہے کہ میں غیر تشریعی نبی ہوں۔ صاحب شریعت نہیں۔ مگر اربعین ۴ ص۶ طبع اوّل متن وحاشیہ پر لکھا ہے کہ مَیں صاحب شریعت نبی ہوں۔

جواب:۔ سراسر افتراء ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے ہرگز اربعین چھوڑ کسی اور کتاب میں بھی تحریر نہیں فرمایا۔ کہ مَیں تشریعی نبی ہوں بلکہ حضور علیہ السلام نے اپنی آخری تحریر میں بھی شدت کے ساتھ اس الزام کی تردید فرمائی ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:۔

"یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ مَیں اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں سمجھتا۔ اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں۔ یہ الزام میرے پر صحیح نہیں۔ بلکہ ایسا دعویٰ میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ ہمیشہ سے اپنی ہر ایک کتاب میں یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے۔"
(اخبار عام ۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء)

سو جو حوالہ تم اربعین ۴ ص۶ طبع اوّل متن وحاشیہ سے پیش کرتے ہو۔ اُس میں ہرگز یہ نہیں لکھا ہوا کہ مَیں تشریعی نبی ہوں۔ آپ نے تو مخالفین کو ملزم کرنے کے لئے لَوْ تَقَوَّلَ کی بحث کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر کہو کہ لَوْ تَقَوَّلَ والا ۲۳ سالہ معیار تشریعی انبیاء کے متعلق ہے تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

پھر معترض کو مزید ملزم اور لاجواب کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ:

"تمہاری مراد "صاحب شریعت" سے کیا ہے اگر کہو "صاحب شریعت" سے مراد وہ ہے جس کی وحی میں امر اور نہی ہو تو اس تعریف کی رُو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔"

گویا حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مخالفین کو محض "اس تعریف کے رو سے" ملزم کیا ہے۔ نہ یہ کہ صاحب شریعت نبی کی تعریف اپنی مسلمہ پیش کی ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس علیہ السلام نے اس کے آگے جو اپنی وحی ہو پیش کی ہے۔

"قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔" (سورۃ النور : ۳۱)

(اربعین ۴ ص۶ طبع اوّل)

یہ قرآن مجید کی آیت ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر "تجدید" کے رنگ میں نازل ہوئی ہے۔ پس حضرت اقدس علیہ السلام کی وحی قرآنی شریعت کی "تجدید" کر کے از سر نو اس کو دُنیا میں شائع کرنے کے لئے ہے۔ مستقل طور پر اُس میں نہ کوئی نئے اوامر ہیں نہ نواہی۔ پس آپ کا دعویٰ "صاحب شریعت" ہونے کا نہ ہوا۔ بلکہ شریعت کے مجدد ہونے کا ہوا۔

چنانچہ اسی صفحہ ۷ اربعین ۳ طبع اول دسمبر ۱۹۰۰ء کے حاشیہ پر حضرت اقدس علیہ السلام نے صاف طور پر تحریر فرما دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امر اور نہی میری وحی میں "تجدید" کے رنگ میں نازل فرمائے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ صاحب شریعت نبی اُس کو کہتے ہیں۔ جس کی وحی میں نئے اوامر اور نئے نواہی ہوں۔ جو پہلی شریعت کے اوامر و نواہی کو منسوخ کرنے والے ہوں۔ مگر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وحی میں ہرگز ایسا نہیں۔

لہٰذا یہ کہنا کہ حضرت اقدس علیہ السلام نے تشریعی نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ محض افترا اور بہتان ہے کہاں الزامی جواب جو حضرت اقدس علیہ السلام نے محولہ عبارت میں دیا ہے۔ اور کہاں اپنی طرف سے اپنا ایک عقیدہ بیان کرنا ہے ؎

کہا ہم نے جو دل کا درد تم اسکو گلہ سمجھے
تصدق اس سمجھ کے مرحبا سمجھے تو کیا سمجھے

۲۲۔ دعوائے نبوت اور اسکی نفی

اس کے متعلق ہم مفصل بحث مسئلہ ختم نبوت کے ضمن میں کر آئے ہیں۔ وہاں سے ملاحظہ ہو۔

۲۳۔ یسوع کی مذمت اور حضرت مسیح کی تعریف

۱۔ اس کے متعلق بحث دیکھو مضمون "قرآنی مسیح اور انجیلی یسوع" پاکٹ بک ہذا۔

۲۔ ہم اصولی طور پر تناقضات کے مضمون کے شروع میں صفحہ ۵۲۳ تا صفحہ ۵۵۰ پاکٹ بک ہذا پر ثابت کر آتے ہیں کہ محض ایک لفظ کے دُو جگہ استعمال ہونے اور اس کے ایجاب و سلب سے تناقض ثابت نہیں ہوتا۔ جہاں یسوع کی مذمت ہے اور اُس کی تعلیم کو ناقص قرار دیا گیا ہے۔ وہاں عیسائیوں کے بالمقابل انجیلی مسلمات پر اعتراض کیا ہے اور جہاں مسیح، عیسیٰ یا یسوع کی تعریف کی ہے۔ وہاں اسلامی تعلیم کے لحاظ سے اہلِ اسلام کو مخاطب کیا ہے۔ پس دونوں عبارتوں میں تناقض نہیں۔ اسی طرح حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵ پر جو ایک شریر کے جسم میں "یسوع" کی رُوح قرار دی ہے وہاں "انجیلی یسوع" مراد ہے۔ مگر تحفہ قیصریہ صفحہ ۱۲ تا صفحہ ۲۱ طبع اول میں حقیقی اور اسلامی مسیح مراد ہیں۔ لہٰذا کوئی تناقض نہیں ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

۳۴ - حیاتِ مسیح میں اختلاف

مسیح کی زندگی اور موت اور دوبارہ نزول کے متعلق مفصل بحث مسئلہ وفاتِ مسیح کے ضمن میں (پاکٹ بک ہذا) ملاحظہ ہو۔

۳۵ - مسیح کی بادشاہت

مسیح کی بادشاہت کی جو تاویل حضرت اقدس نے براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۹ طبع اول پر کی ہے وہ حضور کی اپنی طرف سے ہے جو اسلامی نقطۂ نگاہ ہے اور اعجاز احمدی ص۱۳ وص۱۴ پر حضرت نے یہودیوں کا اعتراض نقل کیا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں۔ ظاہر ہے کہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۹ والی تاویل میں حضرت صاحب نے اپنی طرف سے "بادشاہت" کو "آسمانی بادشاہت" قرار دے کر حضرت مسیح کی اجتہادی غلطی تسلیم فرمائی ہے اب یہ تاویل یہودی معترضین پر حجت نہیں۔ نہ ان کو مسلّم ہے اسی وجہ سے اعجاز احمدی ص۱۳ طبع اول پر حضرت صاحب نے اپنے مخالفین کو کہا ہے کہ بتاؤ یہودیوں کو ان اعتراضات کا تم کیا جواب دے سکتے ہو۔ پس دونوں عبارتوں میں کوئی تناقض نہ ہوا۔

۳۶ - سخت کلامی کا الزام

مرزا صاحب نے مولویوں کو گالیاں دی ہیں۔ مثلاً "اے بدذات فرقۂ مولویاں" (انجام آتھم)

الجواب ا۔ حضرت مرزا صاحب نے ہرگز ہرگز شریف اور مہذب مولویوں یا دوسرے مسلمانوں کو گالی نہیں دی۔ یہ محض احراریوں کی شر انگیزی ہے کہ وہ عوام الناس اور شریف علماء کو ہمارے خلاف اشتعال دلانے کی غرض سے اصل عبارات کو ان کے سیاق وسباق سے علیحدہ کر کے اور کانٹ چھانٹ کر پیش کر کے کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے تمام مسلمانوں کو گالیاں دی ہیں۔ حالانکہ حضرت مرزا صاحب کی اُن تحریرات کے مخاطب وہ چند گنتی کے مولوی۔ پادری یا پنڈت تھے جو حضرت صاحب کو نہایت فحش اور ننگی گالیاں دیتے تھے چنانچہ انہوں نے حضرت صاحب اور حضور کے اہلِ بیت کے گندے اور توہین آمیز کارٹون بھی بنا کر شائع کئے ان کی گالیوں کی کسی قدر تفصیل حضرت صاحب کی کُتاب کتاب البریہ ص۱۲۳ تا ص۱۳۳ اور کشف الغطاء ص۱۵ تا ص۳۱ میں موجود ہے۔

ان لوگوں میں محمد بخش جعفر زٹلی۔ شیخ محمد حسین ۔ سعداللہ لدھیانوی اور عبدالحق امرتسری خاص طور پر گالیاں دینے میں پیش پیش تھے۔ سعداللہ لدھیانوی کی صرف ایک نظم بعنوان "نظم حقانی مسمّٰی بہ سراٹر کادیانی" میں حضرت صاحب کی نسبت "روسیاہ بے شرم۔ احمق۔ بھانڈ۔ یاوہ گو۔ غبی۔ بدمعاش۔ لالچی جھوٹا۔ کافر۔ دجال۔ حمار۔ وغیرہ الفاظ موجود ہیں۔ اسی طرح رسالہ اعلان الحق و اتمام الحجۃ و تکملہ ص۳ پر آپ کی نسبت "حرامزدہ" کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔

پس حضرت مرزا صاحب کے سخت الفاظ اس قسم کے بدزبان لوگوں کی نسبت بطور جواب کہے ہیں لیکن تعجب ہے کہ وہ معدودے چند مخصوص لوگ جو ان تحریرات کے اصل مخاطب تھے۔ عرصہ ہوا فوت بھی ہو چکے اور آج ان کا نام لیوا بھی کوئی باقی نہیں، لیکن احراری آج سے ۶۰، ۷۰ برس پہلے کی شائع شدہ تحریریں پیش کر کے موجودہ لوگوں کو یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ یہ تحریرات تمہارے متعلق ہیں۔ حالانکہ بسا اوقات یہ خود احراری اور اُن کے سامعین وہ لوگ ہوتے ہیں جو اُن تحریروں کی اشاعت کے وقت ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

۲۔ پھر یہ بات تو ہر شخص تسلیم کریگا کہ اس قسم کی گندی اور فحش گالیاں جیسی حضرت صاحب کے مخالفین نے آپ کو دیں سُنکر کوئی شریف یا نیک فطرت انسان ان گالیاں دینے والوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے کبھی نہیں دیکھ سکتا۔ پس اگر ایسے لوگوں کی نسبت حضرت صاحب نے جوابی طور پر بظاہر سخت الفاظ استعمال فرمائے ہوں تو بموجب ارشاد خداوندی لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (النسآء: ۱۴۹) حضرت صاحب کی کسی تحریر کو بھی سخت یا نامناسب نہیں کہا جا سکتا۔

۳۔ پھر حضرت صاحب نے ان گالیاں دینے والے گندے دشمنوں کو بھی کوئی گالی نہیں دی بلکہ آپ نے ان کی نسبت جو کچھ فرمایا۔ دراصل وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا بڑا نرم ترجمہ کیا ہے۔ حدیث میں ہے۔ عُلَمَآءُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ (مشکوٰۃ کتاب العلم مطبع احمدی صفحہ ۳۸) کہ وہ علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے۔ گویا اگر آسمان کے نیچے بدذات بھی رہتے ہیں تو فرمایا "شَرُّهُمْ" یعنی ان سے بھی وہ بدتر ہونگے۔ پس حضرت نے تو نرم الفاظ استعمال فرمائے ہیں ورنہ آنحضرت صلعم نے تو تفضیل کل کا صیغہ بولا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے "اَلَيْسَ كَلَامُنَا هٰذَا فِيْ اَخْيَارِهِمْ بَلْ فِيْ اَشْرَارِهِمْ" (الہدیٰ صفحہ ۶۸ حاشیہ) کہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے یہ صرف شریر علماء کی نسبت لکھا ہے ورنہ غیر احمدیوں میں سے جو علماء شریر نہیں۔ ہم نے ان کی نسبت یہ نہیں لکھا۔ فرماتے ہیں:۔

(۴) "نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هَتْكِ عُلَمَاءِ الصَّالِحِيْنَ وَقَدْحِ الشُّرَفَاءِ الْمُهَذَّبِيْنَ سَوَاءٌ كَانُوْا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَوِ الْمَسِيْحِيِّيْنَ اَوِ الْاٰرِيَةِ" (لجۃ النور صفحہ ۲۴ طبع اوّل) ہم نیک علماء کی ہتک اور شرفاء کی توہین سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ خواہ ایسے لوگ مسلمان ہوں یا عیسائی یا آریہ۔

(۵) صرف وہی لوگ ہمارے مخاطب ہیں خواہ وہ بگفتن مسلمان کہلاتے یا عیسائی ہیں جو حدِ اعتدال سے بڑھ گئے ہیں اور ہماری ذاتیات پر گالی اور بدگوئی سے حملہ کرتے یا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ بزرگ میں توہین اور ہتک آمیز باتیں منہ پر لاتے اور اپنی کتابوں میں شائع کرتے ہیں۔ سو ہماری اس کتاب اور دوسری کتابوں میں کوئی لفظ یا کوئی اشارہ ایسے معزز لوگوں کی طرف نہیں ہے جو بدزبانی اور کمینگی کے طریق کو اختیار نہیں کرتے۔ (اشتہار مشمولہ ایام الصلح بٹ اُردو ٹائیٹل و تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۷۵)

☆

علماء کی حالت اور غیر احمدی گواہیاں

۱۔ نواب نور الحسن خاں صاحب آف بھوپال لکھتے ہیں: "اب اسلام کا صرف نام، قرآن کا فقط نقش باقی رہ گیا ہے..... علماء اس اُمت کے بدتر اُن کے ہیں جو نیچے زمین کے ہیں۔ انہیں سے فتنے نکلتے ہیں۔ انہیں کے اندر پھر کر جاتے ہیں۔" (اقتراب الساعۃ صٓ ۱۲)

۲۔ "اگر نمونہ یہود خواہی کہ بینی علماء سوء کہ طالب دنیا باشند"

(الفوز الکبیر صٓ ۱۰ مصنفہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی)

۳۔ آج کل تھرڈ کلاس مولوی جو ذرہ ذرہ بات پر عدم جواز اقتداء کا فتویٰ دیدیا کرتے ہیں۔ سوانکی بابت بہت عرصہ ہوا فیصلہ ہو چکا ہے ؎

هَلْ اَفْسَدَ النَّاسَ اِلَّا الْمُلُوْكُ ۔۔۔ وَعُلَمَاءُ سُوْءٍ وَرُهْبَانُهَا

(اہلحدیث ۷ر جون ۱۹۱۲ء)

شعر کا مطلب یہ ہے کہ کیا بادشاہوں۔ علماء سوء اور رہبان کے سوا کسی اور چیز نے لوگوں کو خراب کیا ہے؟

۴۔ افسوس ہے ان مولویوں پر جن کو ہم ہادی رہبر ورثۃ الانبیاء سمجھتے ہیں۔ ان میں یہ نفسانیت یہ شیطنت بھری ہوئی ہے۔ تو پھر شیطان کو کس لئے بُرا بھلا کہنا چاہیئے۔ (اہلحدیث ۷ر نومبر ۱۹۱۱ء)

۵۔ "مولوی اب طالب جیفۂ دُنیا ہو گئے۔ وارثِ علم پیمبر کا پتہ لگتا نہیں۔"

(اہلحدیث ۳ر مئی ۱۹۱۲ء)

۶۔ "بعینہٖ وہی عقائد باطلہ جن کی تغلیط کے لئے خدا نے ہزارہا انبیاء بھیجے تھے۔ ان نام کے مسلمانوں نے اختیار کر لئے ہیں۔" (تفسیر ثنائی از مولوی ثناء اللہ امرتسری جلد صٓ ۹۶)

۷۔ "نام کے بنی اسرائیل تو آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور صفحۂ دُنیا سے نامِ غلط کی طرح مٹ گئے۔ مگر آہ! کام کے بنی اسرائیل اب بھی موجود و ترقی پذیر ہیں۔ ہم نے سجادہ نشینی کا فخر حاصل کیا اور عنان اسرائیلی ہاتھ میں لے لی اور اپنا گھوڑا گھوڑ دوڑ میں بنی اسرائیل سے بھی آگے بڑھا دیا۔ صادق اور مصدوق فداہ ابی وامی رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس قبل ہماری اس شہ سواری اور گوئے سبقت کی پیش بری کی ان الفاظ میں پیشگوئی فرمائی تھی۔ کہ یقیناً میری اُمت کے بھی لوگ ہو بہو بنی اسرائیل کی طرح افعال بد میں منہمک ہونگے۔ حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے زنا کیا ہوگا تو میری اُمت میں بھی ماں سے زنا کرنے والے افراد موجود ہونگے واقعہ یہ ہے کہ آج ہم مدعیٔ اہلحدیث بھی حذو النعل بالنعل بنی اسرائیل کی طرح ہر معاملہ میں مصلحت دُور اندیشی ضرورت وقت وبا لیسی۔ زر پرستی۔ کاسہ لیسی۔ خوشامد و چاپلوسی کو معبودِ حق سمجھ کر اسی کی پوجا کرنے لگے۔"

(اہلحدیث ۲۵ر ستمبر ۱۹۳۱ء صٓ ۱۱)

۸۔ مشکوٰۃ صٓ ۳۰ میں حضرت علیؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ لوگوں پر

عنقریب ایسا زمانہ آئیگا کہ اسلام کا نام رہ جائے گا۔ اور قرآن کا رسم خط۔ اُس وقت مولوی آسمان کے تلے بدترین مخلوق ہوں گے (اقتراب الساعۃ صـ۱۲) سارا فتنہ و فساد انہی کی طرف سے ہوگا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آجکل وہی زمانہ آگیا ہے۔

(اہلحدیث ۲۵ اپریل ۱۹۳۰ء صـ۵)

۹۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں:۔

"قرآن مجید میں یہودیوں کی مذمت کی گئی ہے کہ کچھ حصہ کتاب کو مانتے ہیں اور کچھ نہیں مانتے افسوس ہے کہ آج ہم اہلحدیثوں میں بالخصوص یہ عیب پایا جاتا ہے"۔ (اہلحدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء صـ۹)

گالی اور سخت کلامی میں فرق

۱۔ گالی اور ہے اور اظہار واقعہ اور چیز۔ اگر کوئی شخص جو خود اندھا ہو اور دوسرے کو کانا کہے۔ تو دوسرے آدمی کا حق ہے کہ اُسے کہے کہ میں تو کانا نہیں۔ چونکہ تم اندھے ہو۔ اس لئے تمہیں میری آنکھ نظر نہیں آتی اب یہ اظہار واقعہ ہے مگر گالی نہیں۔ خود قرآن مجید نے اپنے منکروں کو شَرُّ الْبَرِيَّةِ (البینۃ:۷) (بدترین مخلوق)۔ کَالْاَنْعَامِ (الاعراف: ۱۸۰) (چوپایوں کی طرح) قرار دیا ہے بلکہ زَنِيْمٌ (القلم:۱۴) (حرامزادہ) بھی قرار دیا ہے۔

نوٹ:۔ ا۔ زَنِيْمٌ کے معنی ہیں حرامزادہ دیکھو تفسیر کبیر لامام رازی زیر آیت لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ (القلم: ۱۱) جلد ۸ صـ۲۶۵ مطبوعہ مصر فَالْحَاصِلُ اِنَّ الزَّنِيْمَ هُوَ وَلَدُ الزِّنَا۔ یعنی نتیجہ یہ نکلا کہ "زنیم" ولدالزنا کو کہتے ہیں۔

ب۔ تفسیر حسینی قادری مترجم اردو جلد ۲ صـ۵۶۴ پر سورۃ نٓ و سورۃ القلم: ۱۴ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ میں "زنیم" کا ترجمہ یہ لکھا ہے۔

"زنیم" حرامزدہ نطفہ نا تحقیق کہ اس کا باپ معلوم نہیں۔

ج۔ "زنیم" کے معنی عربی لغات فیروزی صـ۱۴۰ پر "حرامزادہ" درج ہیں۔

د۔ اَلْمُنْجِدُ (لغت کی کتاب) میں زنیم کے معنی لکھے ہیں "اَللَّئِيْمُ" صـ۲۰۱ اور "اَللَّئِيْمُ" کے معنی اسی لغت میں صـ۸۱۱ پر "اَلدَّنِيُّ الْاَصْلُ" یعنی "بد اصل" لکھے ہیں۔

ر الفرائد الدریۃ عربی انگریزی ڈکشنری FALLONS انگریزی و اُردو ڈکشنری میں بھی زنیم کے معنی "IGNOBLE" درج ہیں جس کے معنی ولدالحرام یا بداصل کے ہیں۔

۲۔ بخاری میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفارِ مکہ کا سفیر عُروہ بن مسعود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر رہا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے اُسے مخاطب کرکے کہا:۔

"اُمْصُصْ بِبَظْرِ اللَّاتِ" (بخاری کتاب الشروط۔ باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ جلد ۲ صـ۸۱ مصری و تجرید بخاری مترجم اُردو شائع کردہ مولوی فیروزالدین اینڈ سنز لاہور جلد ۲ صـ۱۳)

"حضرت ابوبکرؓ نے عروہ سے کہا کہ لات کی شرمگاہ چوس (یہ عرب میں نہایت سخت گالی سمجھی جاتی تھی)
یاد رہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے یہ الفاظ آنحضرت صلعم کی موجودگی میں فرمائے مگر حضور صلعم نے انہیں منع نہیں فرمایا بلکہ خاموش رہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ شخص حضرت ابوبکرؓ سے نہیں۔ بلکہ آنحضرتؐ سے باتیں کر رہا تھا اور اس نے آنحضرت صلعم کو گالی نہیں دی تھی۔ بلکہ صرف اتنا کہا تھا کہ اے محمدؐ! یہ مسلمان اگر ذرا سی بھی تیز لڑائی ہوئی تو آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے اُمْصُصْ بَبَظْرِ اللَّاتِ کہا آنحضرت صلعم حضرت ابوبکرؓ کے فقرے کو بھی سُن رہے تھے۔ مگر آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کو منع نہیں فرمایا۔

۳۔ گو مندرجہ بالا حدیث "حدیثِ تقریر" کا درجہ رکھتی ہے۔ مگر پھر بھی ایک اور حدیث درج کی جاتی ہے: "عَنْ اُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ تَعَزَّا بِعَزَاءِ الْجَاهِلِیَّةِ فَاَعِضُّوْهُ بِهَنِ اَبِیْهِ وَلَا تَکْنُوْا"۔ (مشکوٰۃ کتاب الآداب باب المفاخرۃ وَ العصبیۃ ص۳۵۶ مطبع انصاری دہلی) اس حدیث کا اُردو ترجمہ اَلْمُلْتَقَطَاتُ شرح مشکوٰۃ سے درج کیا جاتا ہے۔ روایت ہے ابی بن کعبؓ سے کہ کہا۔ سُنا میں نے رسول اللہ صلعم سے فرماتے تھے جو کوئی کہ نسبت کرے ساتھ نسبت جاہلیت کے۔ پس کٹواؤ اسکو ستر باپ اس کے کا اور کنایہ نہ کرو یعنی یوں کہو کہ اپنے باپ کا ستر کاٹ کر اپنے منہ میں لے لے۔ اس حدیث میں نہایت تشدید ہے فخر بالاباء پر اور حقیقت میں اپنی قوم کی بڑائی کرنا عبث ہے

(المشکوٰۃ بالملتقطات جلد ۳ ص۲۷۱ مطبوعہ احمدی ۱۳۲۱ھ)۔

۴۔ مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اَلْعَضُّ اَخْذُ الشَّیْءِ بِالْاَسْنَانِ بِهَنِ اَبِیْهِ بِفَتْحِ الْهَاءِ وَتَخْفِیْفِ النُّوْنِ کِنَایَةٌ عَنِ الْفَرْجِ اَیْ قُوْلُوْا لَهٗ - اُعْضُضْ بِذَکَرِ اَبِیْكَ وَاَیْرِهٖ اَوْ فَرْجِهٖ وَلَا تَکْنُوْا بِذِکْرِ الْهَنِ مِنَ الْاَیْرِ بَلْ صَرِّحُوْا لَهٗ" - (مرقاۃ برحاشیہ مشکوٰۃ ص۳۵۶ مطبع انصاری) کہ عَضٌّ کے معنی ہیں کسی چیز کا دانتوں سے پکڑنا..... الخ۔ غیر احمدی علماء نے حضرت مسیح موعودؑ کو جو گالیاں دیں۔ ان کے لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ عبدالحکیم مُرتد نے اپنے رسالہ "اعلان الحق" ص۳۰ میں حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی جماعت کو "حرامزدہ" لکھا ہے (لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی مَنْ قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ خادم) نیز محمد علی بوپڑی نے اپنے رسالہ صوتِ ربانی برسر دجال قادیانی" میں بھی یہی لفظ لکھا ہے۔

۲۷۔ ذُرِّیَّةُ الْبَغَایَا

(آئینہ کمالات اسلام ص۵۴۷ طبع اول ۱۸۹۳ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قطعاً غیر احمدیوں کو ذُرِّیَّةُ الْبَغَایَا نہیں کہا۔ بوجوہاتِ ذیل:۔

جواب ۱۔ آئینہ کمالات اسلام کی اشاعت تک تو حضرت غیر احمدیوں کو کافر بھی نہیں کہتے تھے۔ چہ جائیکہ ذُرِّیَّةُ الْبَغَایَا کہتے۔ آپ کی طرف سے جوابی فتویٰ حقیقۃ الوحی ۱۵ رمئی ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۲۰، ۱۲۱ طبع اول

میں شائع ہوا ہے۔

۲۔ اس عبارت میں حضور نے اپنی خدمات اسلامی کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے۔ قَدْ حُبِّبَ اِلَیَّ مُنْذُ دَنَوْتُ الْعِشْرِیْنَ اَنْ اَنْصُرَ الدِّیْنَ وَ اُجَادِلَ الْبَرَاھِمَةَ وَ الْقِسِّیْسِیْنَ۔ "کہ جب میں بیس سال کا ہوا تبھی سے میری یہ خواہش رہی کہ میں آریوں اور عیسائیوں کے ساتھ مقابلہ کروں چنانچہ میں نے براہین احمدیہ اور سرمہ چشم آریہ اور آئینہ کمالات اسلام وغیرہ کتابیں لکھیں جو اسلام کی تائید میں ہیں۔ کُلُّ مُسْلِمٍ (آئینہ کمالاتِ اسلام ۵۴۷) (یعنی ہر مسلمان) ان کتابوں کو بنظر استحسان دیکھتا۔ اور ان کے معارف سے مستفید ہوتا اور میری دعوت اسلام کی تائید کرتا ہے مگر ذُرِّیَّۃُ البغایا جن کے دلوں پر خدا نے مہر کر دی ہے وہ ان کے مخالف ہیں۔ چنانچہ براہین احمدیہ اور سرمہ چشم آریہ کے جواب میں لیکھرام آریہ نے "خبطِ احمدیہ اور تکذیب براہین احمدیہ" شائع کیں مگر مسلمان حضرت کی تائید میں تھے۔ چنانچہ محمد حسین بٹالوی نے براہین پر ریویو (رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۷ ص ۱۶۹) لکھا۔ مسلم بک ڈپو لاہور نے سرمہ چشم آریہ (پر مولوی محمد حسین بٹالوی کا تبصرہ اشاعۃ السنۃ جلد ۹ صفحہ ۱۴۹ تا ۱۵۸ شائع ہوا) کو اپنے خرچ پر شائع کیا۔

۳۔ اس امر کا ثبوت کہ آئینہ کمالاتِ اسلام کی محولہ بالا عبارت میں غیر احمدی مسلمانوں کو مخاطب نہیں کیا گیا یہ ہے کہ حضرت صاحب نے اسی آئینہ کمالات اسلام میں جس کے ص ۵۴۷ کا تم نے حوالہ دیا ہے ص ۵۳۵ پر ملکہ وکٹوریہ آنجہانی قیصرۂ ہند کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ وَفِیْ اٰخِرِ کَلَامِیْ اَنْصَحُ لَکِ یَا قَیْصَرَةُ خَالِصًا لِّلّٰہِ وَھُوَ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ عَضُدُکِ الْخَاصُّ وَلَھُمْ فِیْ مُلْکِکِ خُصُوْصِیَّةٌ تَفْھَمِیْنَھَا فَانْظُرِیْ اِلَی الْمُسْلِمِیْنَ بِنَظْرٍ خَاصٍّ وَاَقِرِّیْ اَعْیُنَھُمْ وَاَلِّفِیْ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَاجْعَلِیْ اَکْثَرَھُمْ مِنَ الَّذِیْنَ یُقَرَّبُوْنَ اَلتَّفْضِیْلَ التَّفْضِیْلَ اَلتَّخْصِیْصَ اَلتَّخْصِیْصَ۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام ص ۵۳۵)

یعنی اے ملکہ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ مسلمان تیرا بازو ہیں۔ پس تو ان کی طرف نظرِ خاص سے دیکھ اور ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا اور ان کی تالیف قلوب کر اور ان کو اپنا مقرب بنا۔ اور بڑے سے بڑے خاص عہدے مسلمانوں کو دے۔

غرضیکہ اسی آئینہ کمالات اسلام میں مخالفین کی پیش کردہ عبادت سے پہلے تو یہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ اور ان کی تالیف قلوب لازمی ہے پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ اسی جگہ انکے متعلق ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں جو ان کی دل شکنی کا باعث ہوں۔

۴۔ علاوہ ازیں ذُرِّیَّۃُ الْبَغَایَا والی عبارت میں الفاظ یعنی یَقْبَلُنِیْ وَیُصَدِّقُ دَعْوَتِیْ۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام ص ۵۴۷) کے مجھے قبول کرتا اور میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے تو اس جگہ دعوت سے مراد دعوت الی الاسلام اور اسی کا قبول کرنا ہے۔ ملاحظہ ہو آئینہ کمالات اسلام ص ۳۸۹)۔

فرماتے ہیں :-

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنِّيْ عَاشِقُ الْاِسْلَامِ وَفِدَاءُ حَضْرَةِ خَيْرِ الْاَنَامِ وَغُلَامُ اَحْمَدَ الْمُصْطَفٰى حُبِّبَ اِلَيَّ مُنْذُ صَبَوْتُ اِلَى الشَّبَابِ..... اَنْ اَدْعُوَ الْمُخَالِفِيْنَ اِلٰى دِيْنِ اللّٰهِ الْاَجْلٰى۔ فَاَرْسَلْتُ اِلٰى كُلِّ مُخَالِفٍ كِتَابًا وَّ دَعَوْتُ اِلَى الْاِسْلَامِ شَيْخًا وَّشَابًّا۔"

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۳۸۸ وصفحہ ۳۸۹)

اس عبارت کا فارسی ترجمہ آئینہ کمالات اسلام کے صفحہ ۳۹۳ وصفحہ ۳۹۴ حاشیہ میں حسب ذیل درج ہے۔

"خدا تعالیٰ خوب میداند کہ من عاشق اسلام و فدائے حضرت سیدانام و غلام احمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میباشم۔ از عنفوانِ وقتے کہ بالغ بسنّ شباب و موفق بتالیف کتاب شدہ ام۔ دوستدار آں بودہ ام کہ مخالفین را بسوئے دینِ روشنِ خدا دعوت کنم۔ بنا برآں بسوئے ہر مخالفے مکتوبے فرستادم و جوان و پیر را بندائے قبولِ اسلام دردادم۔"

"یعنی خدا کی قسم! میں عاشق اسلام اور فدائے حضرت خیر الانام ہوں اور حضرت احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔ اور جب سے میں جوان ہوا اور مجھے کتاب لکھنے کی توفیق ملی میری یہی دلی خواہش رہی کہ میں اللہ تعالیٰ کے روشن دین کی طرف مخالفین کو دعوت دوں چنانچہ میں نے ہر ایک مخالف کی طرف مکتوب روانہ کیا اور چھوٹے بڑے کو اسلام کی طرف دعوت دی۔"

یہ عبارت آئینہ کمالاتِ اسلام کے صفحہ ۳۸۸، ۳۸۹ کی ہے اور مخالفین کی پیش کردہ "ذریۃ البغایا" والی عبارت صفحہ ۵۴۷، ۵۴۸ پر ہے جو ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے:۔ وَقَدْ حُبِّبَ اِلَيَّ مُنْذُ دَنَوْتُ الْعِشْرِيْنَ اَنْ اَنْصُرَ الدِّيْنَ وَاُجَادِلَ الْبَرَاهِمَةَ وَالْقِسِّيْسِيْنَ وَقَدْ اَلَّفْتُ فِيْ هٰذِهِ الْمُنَاظَرَاتِ مُصَنَّفَاتٍ عَدِيْدَةً۔" (جس کا ترجمہ پچھلے صفحہ پر دیا جا چکا ہے) اب ان دونوں عبارتوں کا مقابلہ کر کے دیکھ لو بالکل ایک ہی مضمون ہے۔ پس ثابت ہوا کہ صفحہ ۵۴۸ پر لفظ "دعوتی" میں جس "دعوت" کا ذکر ہے وہ صفحہ ۳۸۹ پر مذکور "دعوتِ اسلام" ہی ہے نیز دیکھو ازالہ اوہام حصہ اول خورد صفحہ ۱۱۲ حاشیہ۔

۵۔ تاج العروس میں ہے اَلْبَغِيُّ اَلْاَمَةُ فَاجِرَةً كَانَتْ اَوْ غَيْرَ فَاجِرَةٍ۔ کہ بغی کے معنی لونڈی کے ہیں۔ خواہ وہ بدکار نہ ہو۔ تب بھی یہ لفظ اس پر بولا جاتا ہے۔ اَلْبَغِيَّةُ فِي الْوَلَدِ نَقِيْضُ الرُّشْدِ وَيُقَالُ هُوَ ابْنُ بَغِيَّةٍ (تاج العروس) کہ کسی کو یہ کہنا کہ وہ ابن بغیہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ہدایت سے دور ہے کیونکہ لفظ "بغیۃ" "رشد" یعنی صلاحیت کا مخالف ہے۔ گویا ذُرِّيَّةُ الْبَغَايَا کا ترجمہ ہوگا "ہدایت سے دور"۔

۶۔ حضرت مسیح موعودؑ نے خود ابن البغاء کا ترجمہ "سرکش انسان" کیا ہے۔ سعد اللہ لدھیانوی کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ میں نے اپنے قصیدہ انجام آتھم میں اس کے متعلق لکھا تھا ؎

اٰذَيْتَنِيْ خُبْثًا فَلَسْتُ بِصَادِقٍ   اِنْ لَّمْ تَمُتْ بِالْخِزْيِ يَا ابْنَ بِغَاءِ

(انجام آتھم صفحہ ۲۸۲)

"یعنی خباثت سے تُو نے مجھے ایذاء دی ہے۔ پس اگر تُو اب رسوائی سے ہلاک نہ ہوا تو میں اپنے دعوے میں سچا نہ ٹھہرونگا اے سرکش انسان۔" الحکم جلد ۱۱ نمبر ۷ بابت ۲۴ فروری ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۳ معلوم ہوا کہ "ابن البغاء" کا ترجمہ "سرکش انسان" ہے۔ نہ کہ کنجری کا بیٹا اور اس سے وہ اعتراض بھی دُور ہو گیا۔ جو بعض غیر احمدی انجام آتھم رُوحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۲۸۲ کے عربی قصیدہ کے فارسی ترجمہ سے "اے نسل بدکاراں" کے الفاظ پیش کر کے کرتے ہیں کیونکہ انجام آتھم کی عربی عبارت کے نیچے جو ترجمہ ہے، وہ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کا ہے۔ مگر ہمارا پیش کردہ ترجمہ خود حضرت مسیح موعودؑ کا بیان فرمودہ ہے جو بہر حال مقدم ہے۔

۷۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ:۔ مَنْ شَهِدَ عَلَيْهَا بِالزِّنَا فَهُوَ وَلَدُ الزِّنَا (کتاب الوصیت صفحہ ۳۹ مطبوعہ حیدر آباد) کہ جو حضرت عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگائے وہ حرامزادہ ہے اس موقعہ پر جو حل طلب معمہ ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہؓ پر تہمتِ زنا لگانے سے ایک انسان کی اپنی ولادت پر (جو سالہا سال پہلے واقعہ ہو چکی ہو) کس طرح اثر پڑتا ہے؟ مَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا۔

۸۔ شیعوں کی معتبر ترین کتاب کافی کلینی کے حصہ سوم موسومہ بہ فروع کافی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ کے آخری حصہ یعنی کتاب الروضہ صفحہ ۱۳۵ میں ہے۔ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ قُلْتُ لَهُ إِنَّ بَعْضَ أَصْحَابِنَا يَفْتَرُونَ وَيَقْذِفُونَ مَنْ خَالَفَهُمْ فَقَالَ الْكَفُّ عَنْهُمْ أَجْمَلُ ثُمَّ قَالَ وَاللهِ يَا أَبَا حَمْزَةَ إِنَّ النَّاسَ كُلَّهُمْ أَوْلَادُ الْبَغَايَا مَا خَلَا شِيْعَتَنَا۔ ابوحمزہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام باقرؒ سے کہا کہ بعض لوگ اپنے مخالفین پر کئی کئی طرح کے بہتان لگاتے اور افتراء کرتے ہیں آپ نے فرمایا ایسے لوگوں سے بچکر رہنا اچھا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اے ابوحمزہ خدا کی قسم! ہمارے شیعوں کے سوا باقی تمام لوگ اولادِ بغایا ہیں۔

۹۔ حضرت امام جعفر صادقؒ کا مندرجہ ذیل قول بھی ملاحظہ ہو۔ "مَنْ أَحَبَّنَا كَانَ نُطْفَةَ الْعَبْدِ وَمَنْ أَبْغَضَنَا كَانَ نُطْفَةَ الشَّيْطَانِ" (فروع کافی جلد ۲ کتاب النکاح صفحہ ۲۱۶ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ) کہ جو شخص ہمارے ساتھ محبت کرتا ہے وہ تو اچھے آدمی کا نطفہ ہے مگر وہ جو ہم سے عداوت رکھتا ہے وہ نطفہ شیطان ہے۔"

اب ایک طرف امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ پڑھو۔ کہ حضرت عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگانے والے سب حرامزادے ہیں اور دوسری طرف حضرت امام باقرؒ کا فتویٰ پڑھو کہ سوائے شیعوں کے باقی سب لوگ اولادِ بغایا ہیں اور ہم سے نفرت کرنے والے شیطان کا نطفہ ہیں۔ پھر بتاؤ اگر ان الفاظ کا لفظی ترجمہ کیا جائے۔ تو ان فقرات کے کوئی معنی بنتے ہیں؟ اور اس طرح روئے زمین کا کوئی انسان ولدالزنا ہونے سے بچ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

۱۰۔ چنانچہ احراریوں کا سرکاری آرگن اخبار "مجاہد" لاہور ۴ مارچ ۱۹۳۶ء مندرجہ بالا حوالجات از "فروعِ کافی" کے جواب میں رقمطراز ہے:۔

ولد البغایا - ابن الحرام اور ولد الحرام - ابن الحلال - بنت الحلال وغیرہ یہ سب عرب کا اور ساری دُنیا کا محاورہ ہے - جو شخص نیکوکاری کو ترک کر کے بدکاری کی طرف جاتا ہے اس کو باوجودیکہ اس کا حسب و نسب درست ہو - صرف اعمال کی وجہ سے ابن الحرام - ولد الحرام کہتے ہیں - اس کے خلاف جو نیکوکار ہوتے ہیں - ان کو ابن الحلال کہتے ہیں - اندریں حالات امام علیہ السلام کا اپنے مخالفین کو "اولاد بغایا" کہنا بجا اور درست ہے" (اخبار مجاہد لاہور ۴ر مارچ ۱۹۳۶ء)

پس آئینہ کمالاتِ اسلام وغیرہ کی عبارات میں بھی مراد ہدایت سے دُور یا سرکش یا بدفطرت انسان ہی ہیں - نہ کہ ولدالزنا یا حرامزادے!

۱۱ - حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی نسبت لکھا ہے: "ایک دفعہ لڑکے گیند کھیل رہے تھے تو اتفاقاً گیند اچھل کر مجلس میں آپڑا - کسی کو جاکر لانے کی جرأت نہ ہوئی - آخر ایک لڑکا گستاخانہ اندر آیا اور گیند اٹھا کر لے گیا - آپ (حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) نے دیکھ کر فرمایا کہ شاید یہ لڑکا حلال زادہ نہیں ہے - چنانچہ دریافت پر ایسا ہی معلوم ہوا - لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوگیا؟ فرمایا! اگر یہ حلال زادہ ہوتا تو اس میں شرم و حیا ہوتی۔"

(تذکرۃ اولیاء - باب اٹھارھواں - مترجم اُردو شائع کردہ شیخ برکت علی اینڈ سنز بار سوم صفحہ ۱۴۶)

ثابت ہوا کہ جس میں شرم و حیا نہ ہو وہ "حلال زادہ" نہیں ہوتا -

۲۸ - جنگل کے سُوّر

إِنَّ الْعِدَا صَارُوْا خَنَازِيْرَ الْفَلَا
وَنِسَاءُهُمْ مِنْ دُوْنِهِنَّ الْأَكْلُبُ

(نجم الہدیٰ ص۱۰ طبع اوّل)

جواب : - یہ عام خطاب نہیں بلکہ صرف ان دشمنوں کو ہے جو گندی گالیاں دیتے تھے - خواہ وہ مرد ہوں - خواہ عورتیں - چنانچہ اس کا اگلا شعر ہے ؎

سَبُّوْا وَمَا أَدْرِيْ لِأَيِّ جَرِيْمَةٍ (ایضاً)

کہ وہ مجھ کو گالیاں دیتے ہیں اور میں نہیں جانتا کہ وہ کیوں اور کس جرم کے بدلے گالیاں دیتے ہیں -

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں : -

ا - "دشنام دہی اور چیز ہے اور بیان واقعہ کا گو وہ کیسا ہی تلخ اور سخت ہو دوسری شے ہے - ہر ایک محقق اور حق گو کا فرض ہوتا ہے کہ سچی بات کو پورے پورے طور پر مخالف گم گشتہ کے کانوں تک پہنچا دیوے پھر اگر وہ سچ کو سن کر افروختہ ہو تو ہوا کرے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۲ طبع اوّل)

ب - مخالفوں کے مقابل پر تحریری مباحثات میں کسی قدر میرے الفاظ میں سختی استعمال میں آئی تھی لیکن وہ ابتدائی طور پر سختی نہیں ہے - بلکہ وہ تمام تحریریں نہایت سخت حملوں کے جواب میں لکھی گئی ہیں مخالفوں

کہ الفاظ ایسے سخت اور دُشنام دہی کے رنگ میں تھے جن کے مقابل پر کسی قدر سختی مصلحت تھی۔ اسکا ثبوت اُس مقابلہ سے ہوتا ہے۔ جو مَیں نے اپنی کتابوں اور مخالفوں کی کتابوں کے سخت الفاظ اکٹھے کرکے کتاب مع ملحقہ مقدمہ مطبوعہ کے ساتھ شامل کئے ہیں جن کا نام مَیں نے "کتاب البریّہ" رکھا ہے اور بایں ہمہ مَیں نے ابھی بیان کیا ہے کہ میرے سخت الفاظ جوابی طور پر ہیں۔ ابتدا سختی کی مخالفوں کی طرف سے ہے اور میں مخالفوں کے سخت الفاظ پر بھی صبر کر سکتا تھا۔ لیکن دو مصلحت کے سبب سے مَیں نے جواب دینا مناسب سمجھا تھا۔ اوّل یہ کہ تا کہ مخالف لوگ اپنے سخت الفاظ کا سختی میں جواب پاکر اپنی روش بدلالیں۔ اور آئندہ تہذیب سے گفتگو کریں۔ دوم یہ کہ مخالفوں کی نہایت ہتک آمیز اور غصہ دلانے والی تحریروں سے عام مسلمان جوش میں نہ آئیں اور سخت الفاظ کا جواب بھی کسی قدر سخت پاکر اپنی پر جوش طبیعتوں کو اس طرح سمجھالیں۔ کہ اس طرف سے سخت الفاظ استعمال ہوئے تو ہماری طرف سے بھی کسی قدر سختی کے ساتھ انکو جواب مل گیا۔ اور اس طرح وہ وحشیانہ انتقاموں سے دست کش رہیں ...... یہ بات بالکل سچ ہے۔ کہ اگر سخت الفاظ کے مقابل پر دوسری قوم کی طرف سے کچھ سخت الفاظ استعمال نہ ہوں تو ممکن ہے۔ اس قوم کے جاہلوں کا غیظ و غضب کوئی اور راہ اختیار کرلے۔ مظلوموں کے بخارات نکلنے کے لئے یہ ایک حکمت عملی ہے کہ وہ بھی مباحثات میں سخت حملوں کا سخت جواب دیں۔

(کتاب البریہ ص۱۱، ص۱۲) نیز دیکھو ازالہ اوہام ص۳۴، ص۳۵ طبع اوّل، تقطیع کلاں ص۱۷ طبع اوّل حصہ اوّل، کتاب البریہ ص۹۳ طبع اوّل ص۱۱ تا ص۱۱۸ تبلیغ رسالت جلد ۷ ص۹۷ و تتمہ حقیقۃ الوحی ص۲۰ تا ص۲۳ طبع اوّل)

۳۹- مُبارک احمد کا قبل از ولادت بولنا

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ میرے بچے مبارک احمد نے اپنی والدہ کے شکم میں باتیں کیں۔

جواب ا۔ مبارک احمد کے جس کلام کا ذکر تریاق القلوب ص۳۹ و ص۴۰ طبع اوّل پر ہے وہ براہ راست بچے کا کلام نہیں۔ بلکہ الہام الٰہی ہے جو خدا تعالےٰ کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نازل ہوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو فرمایا کہ "اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَ اُصِیْبُہٗ (تذکرہ ایڈیشن سوم ص۳۳۳) (یعنی مَیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اور جلد ہی خُدا کی طرف واپس چلا جاؤں گا) یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے حضور کو مبارک احمد کی ولادت سے پہلے الہام کئے اور یہ کلام حکایتًا مبارک احمد کی طرف سے تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی آیت "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" کہ خدا تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی طرف سے یہ الفاظ الہام کئے ہیں۔ پس اسی طرح چونکہ الہامی فقرہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ کلام مبارک احمد کی طرف سے کیا تھا اور جملہ کا متکلم بالواسطہ مبارک احمد تھا۔ اس لئے حضرت اقدس نے استعارۃً لکھا ہے کہ گویا اس کے بچے ہی نے باتیں کیں۔ یہ قول صاحبزادہ مبارک احمد کا ایسا ہی ہے جیسے قرآن مجید سورۃ آل عمران رکوع ۵ میں ہے کہ جب فرشتہ حضرت مریمؑ کے پاس حضرت مسیحؑ کی ولادت کی بشارت لے کر آیا۔ تو اس بشارت کے ساتھ ہی اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ (آل عمران: ۵۰)

شروع ہو جاتا ہے دکہ میں آیا ہوں تمہاری طرف۔ خدا کی طرف سے نشان لے کر، مختصر یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر کی رو سے وہ آواز مبارک احمد کی طرف سے نہ آئی تھی۔ بلکہ الہامی کلام میں اللہ تعالیٰ نے حکایتاً اس کی طرف سے کلام کیا تھا۔

۲۔ لیکن تمہارے ہاں تو یہاں تک لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت "پیران پیر" سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ نے آپ سے کچھ بات کہی تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ اے اماں! کیا تجھے یاد نہیں کہ جب میں تیرے پیٹ میں تھا۔ تو ان دنوں ایک سائل فقیر بھیک مانگنے تیرے دروازہ پر آیا۔ تو اسے ایک شیر کھانے کے لئے دوڑا تھا۔ جس سے ڈر کر وہ سائل بھاگ گیا تھا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ وہ شیر میں ہی تھا؟ (گلدستہ کرامات صـ۲۱۵)

۳۔ لو اور سنو! بحار الانوار جلد ۱۰ میں علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ مصباح الانوار سے اور امالی شیخ صادق سے روایت کرتے ہیں جس کے ترجمے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

"مفضل ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ جناب سیدہ (حضرت فاطمہؓ۔ خادم) کی ولادت کس طرح ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ جب خدیجہؓ سے جناب رسول اللہ نے شادی کی تو مکہ کی عورتوں نے انہیں چھوڑ دیا۔ نہ وہ ان کے پاس آتی تھیں۔ نہ ان کو سلام کرتی تھیں اور نہ کسی اور عورت کو ان کے پاس آنے دیتی تھیں۔ اس بات سے جناب خدیجہؓ کو بہت دہشت ہوئی۔ اور ادھر جناب رسول اللہ کی طرف سے بھی خوف دامن گیر تھا۔ اس حالت میں جناب سیدہ کا حمل قرار پایا۔ جناب سیدہ۔ خدیجہؓ سے باتیں کیا کرتی تھیں اور انہیں تسلی و دلاسا دیتی رہتی تھیں۔ اور صبر کی تلقین فرماتی تھیں۔ خدیجہؓ نے رسول اللہ سے یہ بات چھپا رکھی تھی۔ ایک روز رسول اللہ تشریف لائے تو آپؐ نے سنا کہ خدیجہؓ جناب فاطمہؓ سے باتیں کر رہی ہیں پوچھا! یہ کس سے باتیں کرتی ہیں۔ خدیجہؓ نے عرض کیا کہ یہ بچہ جو میرے شکم میں ہے مجھ سے باتیں کرتا ہے اور میری وحشت کو دور کرتا ہے آپؐ نے فرمایا، "اے خدیجہؓ۔ جبرئیلؑ نے مجھے بشارت دی ہے کہ یہ بچہ لڑکی ہے۔"

(سیرۃ الفاطمہ اعنی سوانح عمری حضرت سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا تصنیف سید حکیم ذاکر حسین صاحب مترجم نہج البلاغہ مطبوعہ ۱۹۲۱ء صـ۲۹، صـ۳۰)

۴۰۔ بکرے کا دودھ

سرمہ چشم آریہ صـ۵ طبع اول میں مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ مظفر گڑھ میں ایک بکرے نے اڑھائی سیر دودھ دیا۔

جواب ۱۔ امام ابن جوزی فرماتے ہیں:۔ فَبُعِثَ بِهٖ اِلَى الْخَلِيْفَةِ الْمُقْتَدِرِ وَ اُهْدِىَ مَعَهٗ تَيْسًا لَهٗ ضَرْعٌ يُحْلَبُ لَبَنًا حَكَاهُ الصُّوْلِيُّ وَابْنُ كَثِيْرٍ (حجج الکرامہ صـ۲۵۹) کہ ایک لمبے قد کا آدمی خلیفہ مقتدر کے پاس بھیجا گیا اور اس کے ساتھ ہی ایک بکرا بھی ہدیۃً بھیجا گیا اس بکرے

کے تھن تھے اور وہ دُودھ دیتا تھا۔ اس واقعہ کو صولی اور حافظ ابن کثیر نے بیان کیا ہے۔

ب۔ مولوی شبلی نعمانی لکھتے ہیں:۔ "جہانگیر کا جانور خانہ حقیقت میں ایک عجائب خانہ تھا۔ اس میں ایسے بھی بہت سے جانور تھے۔ جن کی خلقت غیر معمول خلقت تھی۔ ان میں ایک بکرا تھا جو بقدر ایک پیالہ کے دُودھ دیتا تھا۔" (مقالات شبلی ص۹ نیز توزک جہانگیری ص۲)

نوٹ:۔ جماعت احمدیہ آنبہ ضلع شیخوپورہ نے خاص طور پر ایک دُودھ دینے والا بکرا خریدا تھا اور مولوی صاحبان کے لئے "الفضل" میں اشتہار دیا گیا تھا کہ وہ اس بکرے کو دیکھ کر تسلی کریں۔۔۔۔ ۲۸ نومبر ۱۹۳۴ء تک وہ بکرا جماعت کے پاس موجود رہا۔ (خادم)

ج۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔ "۳۰۳ھ میں ایک خچر نے بچہ جنا۔"

(تاریخ الخلفاء مترجم اُردو ص۴۴۳)

نوٹ:۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم وفاتِ مسیح کے اس لئے قائل نہیں۔ کہ گویا ہمارے نزدیک خدا کسی کو زندہ رکھنے پر قادر نہیں۔ بلکہ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں اور یہ کہ کوئی انسان آسمان پر نہیں جا سکتا۔ چونکہ خدا تعالیٰ جھوٹ نہیں بول سکتا اور نہ وعدہ خلافی کر سکتا ہے۔ اس لئے عیسیٰ بھی زندہ نہیں رہ سکتے نیز اگر "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" (البقرۃ:۲۱) کا وہ مفہوم درست ہو جو تم لوگ لیتے ہو تو ذرا یہ تو بتا دو کہ کیا خدا اگر چاہے تو اپنے جیسا ایک خدا بنا سکتا ہے؟ یاد رکھنا کہ خدا غیر مخلوق اور قدیم ہے اور جو پیدا ہوگا وہ بہر حال مخلوق ہوگا۔

۴۱۔ عورت مرد ہو گئی

سرمہ چشم آریہ ص۵۱ میں مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ایک مرد نے اپنے بچہ کو اپنا دودھ پلایا۔

الجواب ۱۔ حجج الکرامہ میں لکھا ہے۔ وَفِیْ ۶۶۶ھ اَحْضَرَ وَالِیْ الْاَشْمُوْنَیْنِ اِلَی الْاَمِیْرِ مِنْجَكَ بِنْتًا عُمُرُهَا خَمْسُ عَشْرَ سَنَةٍ فَذَكَرَ اَنَّهَا لَمْ تَزَلْ بِنْتًا اِلٰى هٰذِهِ الْغَايَةِ فَاسْتَدَّ الْفَرْجُ وَظَهَرَ لَهَا ذَكَرٌ وَاُنْثَيَانِ وَاِحْتَلَمَتْ فَشَاهَدُوْهَا وَسَمُّوْهَا مُحَمَّدًا وَلِهٰذِهِ الْقَضِيَّةِ نَظِيْرٌ ذَكَرَهَا ابْنُ كَثِيْرٍ فِيْ تَارِيْخِهٖ وَقَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ وَقَعَ فِيْ عَصْرِنَا نَظِيْرُ ذٰلِكَ فِيْ ۸۴۲ھ (حجج الکرامہ ص۲۹۳ سطر۱) کہ ۶۶۶ھ میں والی اشمونین نے امیر منجک کے سامنے ایک لڑکی پیش کی۔ جس کی عمر پندرہ سال کی تھی اور اس نے ذکر کیا۔ کہ وہ اب تک تو لڑکی رہی۔ مگر بعد میں اس کی شرمگاہ مفقود ہو گئی اور اعضاء مردی ظاہر ہو گئے۔ پھر وہ محتلم ہوئی اور انہوں نے یہ سب باتیں اس میں مشاہدہ کیں اور اس کا نام محمد رکھا اور اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی ہے جس کو ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں ۸۴۲ھ میں اسی قسم کا ایک واقعہ ظہور میں آیا ہے۔

۲۔ حضرت امام سیوطیؒ لکھتے ہیں:۔ کہ المعتضد باللہ ابو الفتح خلیفہ بنو عباس کے عہد خلافت میں:۔

"۵۴۳ھ ہجری میں طرابلس میں ایک لڑکی تھی جس کا نام نفیسہ تھا۔ تین مردوں سے اس کا نکاح ہوا مگر کوئی اس پر قادر نہ ہو سکا۔۔۔۔ جب اس کی عمر پندرہ برس کی ہوئی اُس کے پستان غائب ہو گئے اور پھر اُس کی شرمگاہ سے گوشت بلند ہونا شروع ہوا اور بڑھتے بڑھتے مرد کا آلۂ تناسل بن گیا اور خصیتین بھی ظاہر ہو گئے۔"

(تاریخ الخلفاء مصنفہ حضرت امام سیوطی باب المستضد باللہ ابوالفتح۔ منقول از محبوب العلماء ترجمہ اُردو تاریخ الخلفاء۔ مطبوعہ پبلک پرنٹنگ پریس لاہور (ترجمہ کردہ مولوی محمد بشیر صاحب صدیقی) مولوی فاضل علی پوری صفحہ ۶۰۰)

۴۲۔ مرزا صاحب نے بد دُعائیں دیں

الجواب:۱۔ قرآن مجید سے حضرت نوحؑ کی بد دُعا سورۃ نوح میں پڑھو۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا (نوح: ۲۷) کہ میرے رب! زمین پر ایک بھی کافر نہ چھوڑیو۔ (۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمۃ للعالمین ہیں انہوں نے بھی بد دعا کی۔ بخاری شریف میں ہے: قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَشَقَّ عَلَيْهِمْ إِذْ دَعَا عَلَيْهِمْ ..... ثُمَّ سَمّٰى اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِأَبِيْ جَهْلٍ وَعَلَيْكَ بِعُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ۔" (بخاری کتاب الوضوء۔ باب اذا اُلقِيَ عَلٰى ظَهْرِ الْمُصَلِّيْ جلد ا صفحہ ۳۸) کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ اے اللہ قریش کو ضرور ہلاک کر۔ آپؐ نے یہ تین مرتبہ فرمایا۔ پس قریش پر یہ شاق گذرا کیونکہ آپ نے ان کو بد دُعا دی تھی۔۔۔۔ پھر آنحضرت صلعم نے نام لے کر فرمایا۔ اے اللہ! ابوجہل کو ضرور ہلاک کر۔ اے اللہ! عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کو ہلاک کر (۳) اسی طرح قریش ہی کے متعلق آنحضرت صلعم کی بد دعا کا ذکر بخاری جلد ا کتاب الاذان باب یہوی بالتکبیر صفحہ ۹۴ مطبع الیہ مصر میں بھی ہے:۔

"عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ فَيَقُوْلُ۔۔۔۔ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ وَأَهْلُ الْمَشْرِقِ يَوْمَئِذٍ مِنْ مُضَرَ مُخَالِفُوْنَ لَهٗ۔" حدیث ہذا کا اُردو ترجمہ تجرید البخاری مترجم اُردو سے نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اپنا سر اُٹھاتے تو سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ دونوں کہتے تھے ۔۔۔۔۔ اے اللہ اپنی گرفت قبیلہ مضر پر سخت کر دے۔ اور ان پر قحط سالیاں ڈال دے جیسے یوسفؑ کے عہد کی قحط سالیاں تھیں۔ اس زمانہ میں قبیلہ مضر کے مشرقی لوگ آپ کے مخالف تھے۔"

(تجرید البخاری مترجم جلد ا صفحہ ۱۸۴ شائع کردہ مولوی فیروزالدین اینڈ سنز لاہور)

(۴) بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی سُلیم کے بعض آدمیوں کو قبیلۂ بنی عامر کی طرف بغرض سفارت و تبلیغ بھیجا۔ مگر انہوں نے دھوکہ سے قتل کر دیا صرف ایک لنگڑے صحابی بچ گئے اس واقعہ کی خبر جب آنحضرتؐ کو ملی تو آپؐ چالیس[۴۰] دن تک قبیلہ بنی عامر کے لیے بد دُعا فرماتے رہے۔

"فَدَعَا عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا عَلٰی رَعْلٍ وَ ذَكْوَانَ وَبَنِيْ لِحْيَانَ وَ بَنِيْ عَصَيَّةَ اَلَّذِيْنَ عَصَوُا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ"

(بخاری باب الحُوْرُ الْعَيْنِ وَصِفَتُهُنَّ و تجرید البخاری مطبوعہ فیروز الدین اینڈ سنز لاہور حصہ دوم ص۳۵ و ص۳۶)

ترجمہ:۔ پھر آپؐ نے چالیس دن تک قبیلہ رعل اور ذکوان اور بنی لحیان بنی عصیہ (کے لوگوں) پر جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی نافرمانی کی تھی بد دعا کی۔

(۵) بخاری شریف جلد ا ص۹۷ کتاب الاذان باب فضل اللهم ربنا لك الحمد مطبع الہیہ مصر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بَعْدَ مَا يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَيَدْعُوْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَلْعَنُ الْكُفَّارَ" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز نماز میں بعد از رکوع سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد بالالتزام مسلمانوں کے حق میں دُعا فرماتے تھے اور کافروں پر لعنت بھیجا کرتے تھے۔

۴۳- انگریز کی خوشامد کا الزام

مجلس احرار کی طرف سے بار بار الزام لگایا جاتا ہے کہ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ علیہ السلام نے انگریز کی خوشامد کی اور اس غرض سے تریاق القلوب۔ کتاب البریہ۔ نور الحق اور تبلیغ رسالت کے حوالجات پیش کئے جاتے ہیں۔ ذیل کی سطور میں اُن کے اِس الزام کا کسی قدر تفصیل سے جواب عرض کیا گیا ہے۔

خوشامد کی تعریف

افسوس ہے کہ معترضین حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام پر خوشامد کا الزام لگاتے وقت ایک ذرہ بھی خدا کا خوف نہیں کرتے کیونکہ اول تو آپ کی تحریرات کے اُس حصہ پر جس میں انگریزی حکومت کے ماتحت مذہبی آزادی حکومت کی مذہبی اُمور میں غیر جانبداری اور قیام امن و انصاف کے لیے عادلانہ قوانین کے نفاذ کی تعریف کی گئی ہے۔ لفظ "خوشامد" کا اطلاق نہیں ہو سکتا ظاہر ہے کہ برمحل سچی تعریف کو "خوشامد" نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ "خوشامد" جھوٹی تعریف کو کہتے ہیں جو کسی نفع کے حصول کی غرض سے کی جائے۔ پس حضرت مرزا صاحب پر انگریز کی خوشامد کا الزام لگانے والوں پر لازم ہے کہ وہ یہ ثابت کریں کہ آپ نے انگریزی حکومت کے بارے میں جو تعریفی الفاظ استعمال فرمائے وہ حقیقت پر مبنی نہ تھے بلکہ خلافِ واقعات تھے اور یہ کہ آپ نے انگریز سے فلاں نفع حاصل کیا، لیکن ہم یہ بات پورے وثوق اور کامل تحدی سے کہہ سکتے ہیں اور مخالف سے مخالف بھی ضرور یہ اقرار کرنے پر مجبور ہوگا کہ حضرت مرزا صاحب نے انگریزی حکومت کے دَور میں مذہبی آزادی۔ تبلیغ کی آزادی اور قیام امن و انصاف کی جو تعریف فرمائی۔ وہ بالکل درست تھی۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ جو مذہبی آزادی انگریزی

نظام کے ماتحت رعایا کو حاصل تھی۔ اس کی مثال موجودزمانہ میں کسی اور حکومت میں پائی نہیں جاتی۔

حضرت سید احمد بریلوی کے ارشادات

چنانچہ حضرت سید احمد بریلوی مجدد صدی سیزدہم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انگریزی حکومت کے اس قابلِ تعریف سلوک کی بیحد تعریف فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:-

ا۔ "سرکار انگریزی کہ اُو مسلمان رعایائے خود را برائے ادائے فرضِ مذہبی شان آزادی بخشیدہ است۔" (سوانح احمدی مصنفہ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری ص۱۱)

ب۔ "سرکار انگریزی مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی۔ اور نہ ان کو فرضِ مذہبی اور عبادتِ لازمی سے روکتی ہے۔ ہم ان کے ملک میں علانیہ وعظ کہتے اور ترویج مذہب کرتے ہیں۔ وہ کبھی مانع اور مزاحم نہیں ہوتی بلکہ اگر کوئی ہم پر زیادتی کرتا ہے تو اُس کو سزا دینے کو تیار ہے۔"

(سوانح احمدی ص۴۵)

ج۔ "سید صاحب (حضرت سید احمد بریلوی) رحمۃ اللہ علیہ کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا۔ وہ اس آزاد عملداری کو اپنی عملداری سمجھتے تھے۔" (ایضاً ص۱۳۹)

د۔ حضرت مولانا سید اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ انگریزی حکومت کے متعلق فرماتے ہیں:-

"ایسی بے رُو و ریا، اور غیر متعصب سرکار کے خلاف کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں۔"

(سوانح احمدی ص۵۷)

غرضیکہ ان ہر دو قابلِ فخر مجاہد ہستیوں نے بھی انگریزی حکومت کی بعینہٖ وہی تعریف کی جو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے کی۔ بلکہ حضرت سید احمد بریلویؒ تو حکومت انگریزی کو "اپنی ہی عملداری" سمجھتے تھے کیا احراری شعبدہ باز جوشِ خطابت میں ان بزرگانِ اسلام پر بھی "انگریزی حکومت کی خوشامد" کا الزام لگائیں گے؟

پس یہ حقیقت ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے انگریزی قوم کے حق میں جو کچھ لکھا وہ بطور خوشامد نہیں بلکہ مبنی برصداقت تھا۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

ا۔ "بعض نادان مجھ پر اعتراض کرتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب "المنار" نے بھی کیا ہے کہ یہ شخص انگریزوں کے ملک میں رہتا ہے۔ اس لئے جہاد کی ممانعت کرتا ہے یہ نادان نہیں جانتے کہ اگر میں جھوٹ سے اس گورنمنٹ کو خوش کرنا چاہتا۔ تو میں بار بار کیوں کہتا کہ عیسٰی بن مریم صلیب سے نجات پا کر اپنی طبعی موت سے بمقام سری نگر مرگیا اور نہ وہ خدا تھا۔ نہ خدا کا بیٹا۔ کیا انگریز مذہبی جوش رکھنے والے میرے اس فقرہ سے ناراض نہیں ہونگے؟ پس سنو اے نادانو! میں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ایسی گورنمنٹ سے جو دین اسلام اور دینی رسوم پر کچھ دست اندازی نہیں کرتی اور نہ اپنے دین کو ترقی دینے کیلئے ہم پر تلوار چلاتی ہے۔ قرآن شریف کی رُو سے مذہبی جنگ کرنا حرام ہے۔"

(کشتی نوح حاشیہ ص۶۸)

۲۔ "یہ گورنمنٹ مسلمانوں کے خونوں اور مالوں کی حمایت کرتی ہے اور ہر ایک ظالم کے حملہ سے ان کو بچاتی ہے۔۔۔۔۔ مَیں نے یہ کام گورنمنٹ سے ڈر کر نہیں کیا اور نہ اس کے کسی انعام کا امیدوار ہو کر کیا ہے بلکہ یہ کام محض لِلّٰہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق کیا ہے۔"

(نور الحق حصہ اوّل ص۲۹، ص۳۰ طبع اوّل)

۳۔ بیشک جیسا کہ خُدا نے میرے پر ظاہر کیا صرف اسلام کو دُنیا میں سچا مذہب سمجھتا ہوں، لیکن اسلام کی سچی پابندی اسی میں دیکھتا ہوں کہ ایسی گورنمنٹ جو درحقیقت محسن اور مسلمانوں کے خون و مال کی محافظ ہے اس کی سچی اطاعت کی جائے۔ میں گورنمنٹ سے ان باتوں کے ذریعہ سے کوئی انعام نہیں چاہتا۔ مَیں اس سے درخواست نہیں کرتا کہ اس خیر خواہی کی پاداش میں میرا کوئی لڑکا کسی معزز عہدہ پر ہو جائے۔"

(اشتہار ۱۲ر اکتوبر ۱۸۹۹ء، تبلیغ رسالت جلد ۸ ص۴۹)

۴۔ "میری طبیعت نے کبھی نہیں چاہا کہ اپنی متواتر خدمات کا اپنے حکام کے پاس ذکر بھی کروں۔ کیونکہ مَیں نے کسی صلہ اور انعام کی خواہش سے نہیں بلکہ ایک حق بات کو ظاہر کرنا اپنا فرض سمجھا۔"

(تبلیغ رسالت جلد ۷ ص۱۰)

۵۔ "مَیں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا۔ جیسا کہ نادان لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس سے کوئی صلہ چاہتا ہوں۔ بلکہ میں انصاف اور ایمان کی رُو سے اپنا فرض دیکھتا ہوں کہ اس گورنمنٹ کا شکریہ ادا کروں۔"

(تبلیغ رسالت جلد ۱۰ ص۱۲۳)

آپ یا آپ کی اولاد نے حکومت سے کوئی نفع حاصل نہیں کیا!

ان تحریرات سے واضح ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے انگریز کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا۔ وہ کسی لالچ یا طمع یا خوف کے زیر اثر نہیں تھا اور یہ محض دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس کو واقعات کی تائید بھی حاصل ہے۔ کیونکہ یہ امر واقعہ ہے اور کوئی بڑے سے بڑا دشمن بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت مرزا صاحب یا حضور کے خلفاء میں سے کسی نے گورنمنٹ سے کوئی مربعہ یا جاگیر حاصل کی یا کوئی خطاب حاصل کیا۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے خلاف عیسائی پادریوں نے اور بعض اوقات حکومت کے بعض کارندوں نے بھی آپ اور آپ کی جماعت کو نقصان پہنچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ پس جب یہ ثابت ہے کہ حضور نے کوئی مادّی فائدہ گورنمنٹ انگریزی سے حاصل نہیں کیا۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آپ نے انگریزی حکومت کی غیر جانبداری اور امن پسندی اور مذہب میں عدم مداخلت کی پالیسی کے حق میں جو کچھ لکھا وہ مبنی برحقیقت تھا۔ تو پھر آپ پر "خوشامد" کا الزام لگانا محض تعصب اور تحکّم نہیں تو اور کیا ہے؟

زور دار الفاظ میں تعریف کی وجہ

اس جگہ ایک سوال ہو سکتا ہے کہ گو یہ درست ہے کہ جو کچھ حضرت مرزا صاحب نے انگریزی حکومت کے حق میں لکھا، وہ

خلاف واقعہ نہ تھا، لیکن پھر بھی حضرت مرزا صاحب کو اس قدر زور سے بار بار انگریز کی تعریف کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ آپ خاموش بھی رہ سکتے تھے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وسوسہ صرف ان ہی لوگوں کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے جن کو اس پس منظر کا علم نہیں جس میں وہ تحریرات لکھی گئیں۔

پس منظر اس ضمن میں سب سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ۱۸۵۷ء کے سانحہ کے حالات اور تفصیلات کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے وہ زمانہ کسقدر ابتلاء اور مصائب کا زمانہ تھا۔ وہ تحریک ہندوؤں کی اٹھائی ہوئی تھی، لیکن اس کو جنگِ آزادی کا نام دیا گیا اور یہ اثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی کہ اس میں ہندوستانی مسلمان بھی من حیث القوم پسِ پردہ شامل ہیں۔ سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے بعد انگریزوں نے زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ اس لئے نئی حکومت کے دل میں متقدم حکومت کے ہم قوم لوگوں کے بارے میں شکوک و شبہات کا پیدا ہونا ایک طبعی امر تھا اس پر ۱۸۵۷ء کا حادثہ مستزاد تھا۔ دوسری طرف ہندو قوم تھی جو تعلیم و تربیت۔ صنعت و حرفت۔ سیاست و اقتصاد۔ غرضیکہ ہر شعبۂ زندگی میں مسلمانوں پر فوقیت رکھتے تھے۔ مسلمانوں کا انہوں نے معاشرتی بائیکاٹ کر رکھا تھا وہ مسلمانوں کے سیاسی زوال سے فائدہ اُٹھا کر مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنے کے منصوبے سوچ رہے تھے۔ یہ دَور ہندوستانی مسلمانوں کے لئے نازک ترین دَور تھا۔ پنجاب میں انگریزی تسلط سے پہلے سکھ دَور کے جبر و استبداد اور وحشیانہ مظالم کی داستان حد درجہ المناک ہے۔ مسلمانوں کو اس زمانہ میں انتہائی صبر آزما حالات میں سے گذرنا پڑا۔ انہیں جبراً ہندو یا سکھ بنایا گیا۔ اذانیں تک ممنوع قرار دی گئیں۔ مسلمان عورتوں کی عصمت دری مسلمانوں کا قتل اور ان کے ساز و سامان کی لوٹ مار سکھوں کا روزمرہ کا مشغلہ تھا۔ سکھوں کے انہی بے پناہ مظالم کے باعث مجدد صدی سیزدہم (تیرھویں[۱۳]) حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے خلاف علَمِ جہاد بلند کرنا پڑا تھا۔

پس ایک طرف ہندو قوم کی ریشہ دوانیاں، مسلمانوں کا اقتصادی بائیکاٹ، مسلمانوں پر اُن کا علمی سیاسی اور اقتصادی تفوّق اور ان کو ہندوستان سے نکال باہر کرنے کے منصوبے اور اس کے ساتھ ساتھ سکھوں کے جبر و استبداد اور وحشیانہ مظالم کے لرزہ خیز واقعات تھے ان حالات میں انگریزی دَورِ حکومت شروع ہوا۔ انگریزوں نے اپنی حکومت کی ابتدا اس اعلان سے کی کہ رعایا کے مذہبی معاملات میں نہ صرف حکومت کی طرف سے کوئی مداخلت ہوگی۔ بلکہ دوسری قوموں کی طرف سے بھی ایک دوسرے کے مذہبی معاملات میں مداخلت کو برداشت نہیں کیا جائیگا۔ ایسے قانون بنا دیئے گئے جن کے نتیجہ میں رعایا کے باہمی تنازعات کا فیصلہ عدل و انصاف سے ہونے لگا۔ ہندوؤں اور سکھوں کی مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں کے آگے حکومت حائل ہوگئی اور سکھوں کے جبر و استبداد سے بالخصوص پنجابی مسلمانوں کو اس طرح نجات مل گئی گویا وہ ایک دہکتے ہوئے تنور سے یکدم باہر نکل آئے۔

قرآن مجید کی واضح ہدایت ایک طرف دو مشرک قومیں (ہندو اور سکھ) مسلمانوں کے خون کی پیاسی تھیں۔ تو دوسری طرف ایک عیسائی حکومت تھی جس کیساتھ

تعاون یا عدم تعاون کا مسلمانوں کو فیصلہ کرنا تھا۔ ان حالات میں مسلمانوں کے لئے قرآن مجید کی اس تعلیم پر عمل کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى (المائدة : ۸۳) ترجمہ:۔ یقیناً یقیناً تو دیکھے گا کہ مسلمانوں کے بدترین دشمن یہودی اور مشرک ہیں اور یقیناً یقیناً تو دیکھے گا کہ دوستی اور محبت کے لحاظ سے سب سے زیادہ مسلمانوں کے قریب عیسائی کہلانے والے ہیں۔

اس واضح حکم میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی تھی کہ یہود یا ہنود اگر ایک طرف ہوں اور دوسری طرف عیسائی ہوں تو مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی دوستی اور مودّة کا ہاتھ عیسائیوں کی طرف بڑھائیں چنانچہ عملاً یہی مسلمانوں نے کیا اور ہمیں یقین ہے کہ اگر یہ قرآنی تعلیم مشعلِ راہ نہ بھی ہوتی تو پھر بھی مسلمانوں کا مفاد اسی میں تھا۔ اور یہی حالات کا اقتضاء تھا کہ ہندوؤں اور سکھوں کے مقابلہ میں انگریزوں کے ساتھ تعاون کرتے اور انگریزوں کی مذہبی رواداری سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوؤں کے تباہ کن منصوبوں سے محفوظ رہ کر اپنی پُرامن تبلیغی مساعی کے ذریعہ سے اپنی تعداد کو بڑھانے کی کوشش کرتے۔ بعد کے حالات کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ انگریزی عملداری کے ابتداء میں مسلمانوں کی تعداد برعظیم ہندو پاکستان میں ایک کروڑ کے قریب تھی، لیکن انگریزوں کے انخلا۔ (۱۹۴۷ء) کے وقت مسلمانوں کی تعداد دس کروڑ تھی۔ گویا تین صدیوں کی اسلامی حکومت کے دوران میں جس قدر مسلمانوں کی تعداد تھی۔ صرف ایک صدی سے بھی کم زمانے میں اس سے دس گنا بڑھ گئی۔ چنانچہ سرسید احمد خاں صاحب علیگڑھی۔ مولانا شبلی نعمانی۔ نواب محسن الملک بہادر نواب صدیق حسن خاں اور دوسری عظیم الشان شخصیتوں نے دورِ اول میں اور قائداعظم محمد علی جناح نے دورِ آخر میں ہندو کی غلامی پر انگریز کے ساتھ تعاون کو ترجیح دی۔ اور مندرجہ بالا قرآنی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے انگریزوں کی طرف دستِ تعاون بڑھایا۔ سرسید مرحوم نے انگریزی حکومت کو مسلمانوں کی وفاداری کا یقین دلانے کیلئے متعدد کتب و رسائل تصنیف کئے۔ مسلمانوں کی مغربی علوم میں ترقی کیلئے شبانہ روز کوششیں کیں جن کا نمونہ علیگڑھ یونیورسٹی کی صورت میں موجود ہے۔ چنانچہ احمدیت کے ذلیل ترین معاند اخبار "زمیندار" لاہور کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ "ان دنوں سیاست کا تقاضا یہی تھا کہ انگریز کی حمایت کی جاتی"

(زمیندار ۲۵/۱۱/۵۲ء ص۲ کالم ۳)

مہدی سوڈانی

پھر یہ بات بھی مدِنظر رکھنی ضروری ہے کہ مہدیٔ سوڈانی کی تحریک ۱۸۸۱ء اور اس کے برطانوی حکومت کے ساتھ تصادم کے باعث انگریزی قوم کے دل و دماغ پر یہ چیز گہرے طور پر نقش ہو چکی تھی۔ کہ ہر مہدویت کے علمبردار کے لئے ضروری ہے کہ وہ تیغ و سناں کو ہاتھ میں لے کر غیر مسلموں کو قتل کرے۔

☆

حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ مہدویت

یہی وہ دَور تھا جس میں حضرت مرزا صاحب نے اللہ تعالیٰ کی وحی سے مامور ہو کر مسیح اور مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ قرآنی تعلیم کے پیشِ نظر آپ اگرچہ حکومت انگریزی کے ساتھ تعاون اور وفاداری کو ضروری سمجھتے تھے، لیکن بدقسمتی سے دَورِ انحطاط کے مسلمان علماء نے مہدیؑ موعود کا یہ غلط تصور دُنیا کے سامنے پیش کر رکھا تھا کہ وہ آتے ہی جنگ و پیکار کا علم بلند کر دیگا اور ہاتھ میں تلوار لے کر غیر مسلموں کو قتل کریگا اور بزورِ شمشیر اسلامی حکومت قائم کردیگا۔ اس لئے اور مہدی سوڈانی کا تازہ واقعہ اس کا ایک بیّن ثبوت تھا اس لئے جب آپ نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تو ضروری تھا کہ انگریزی حکومت آپ اور آپ کی تحریک کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتی، لیکن اس پر مستزاد یہ ہوا کہ مخالف علماء نے جہاں ایک طرف اولیاء اُمّت کی پیشگوئیوں کے عین مطابق (کہ امام مہدی پر علمائے وقت کُفر کا فتویٰ دیں گے) آپ پر کفر کا فتویٰ لگا کر مسلمانوں میں آپ کے خلاف اشتعال پھیلایا۔ تو دوسری طرف حکومت انگریزی کو بھی یہ کہہ کر اُکسایا۔ کہ یہ شخص امام مہدی ہونے کا دعویدار ہے۔ در پردہ حکومت کا دشمن ہے اور اندر ہی اندر ایک ایسی جماعت تیار کر رہا ہے۔ جو طاقت پکڑتے ہی انگریزی حکومت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیگی۔ پھر نہ صرف یہ کہ یہ جھوٹا پراپیگنڈہ مخالف علماء کی طرف سے کیا گیا۔ بلکہ عیسائی پادریوں کی طرف سے بھی حکومت کے سامنے اور پریس میں بار بار یہ الزام لگایا کہ یہ شخص مہدی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا ارادہ یہ ہے کہ خفیہ طور پر ایک فوج تیار کر کے گورنمنٹ انگریزی کے خلاف مناسب موقع پر اعلان جنگ کر دے۔ دراصل یہ شخص اور اس کی جماعت حکومت انگریزی کے "غدار" ہیں۔ اور ان کا وجود انگریزی حکومت کیلئے سخت خطرناک ہے۔ چونکہ یہ الزامات محض بے بنیاد اور بے حقیقت تھے اس لیے حضرت مرزا صاحب کے لئے ضروری تھا کہ اُن کی پر زور الفاظ میں تردید فرما کر حقیقتِ حال کو آشکارا کرتے۔

تعریفی عبارتیں بطور "ذب" تھیں نہ بطور "مدح"

پس تعریفی الفاظ بطور مدح نہ تھے بلکہ بطور "ذب" یعنی بغرض رفع التباس تھے۔

۱۔ اس کی مثال قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ قرآن مجید میں حضرت مریمؑ کی عفت اور عصمت کی بار بار اور زوردار الفاظ میں تعریف بیان کی گئی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ اور حضور کی مقدس صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی عفت اور عصمت کا قرآن مجید میں خصوصیت سے ذکر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ وہ اپنی عفت اور عصمت کے لحاظ سے حضرت مریمؑ سے کسی رنگ میں بھی کم نہیں ہیں بلکہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ اپنے مدارج عظمت کے لحاظ سے حضرتِ مریمؑ سے افضل ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ"۔

(بخاری کتاب المناقب باب مناقب قرابة رسول الله صلى الله عليه وسلم ومنقبة فاطمةؓ جلد ۲ ص۱۹۱)

۲۔ لیکن ظاہر ہے کہ حضرت مریمؑ صدیقہ کی پاکیزگی اور عفت و عصمت کا قرآن مجید میں بار بار زوردار الفاظ میں ذکر ہونا اور ان کے مقابل پر حضرت فاطمۃ الزہرا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدۃ ماجدہ کا قرآن مجید میں ذکر نہ ہونا ہرگز ہرگز اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ حضرت مریمؑ کو ان پر کوئی فضیلت حاصل تھی۔ کیونکہ حضرت مریمؑ پر زنا اور بدکاری کی تہمت لگی۔ اس لئے ان کی بریت اور رفع التباس کے لئے بطور ”ذب“ ان کی تعریف کی ضرورت تھی۔ مگر چونکہ حضرت فاطمۃ الزہرا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدۃ ماجدہ پر ایسا کوئی الزام نہ تھا۔ اس لئے باوجود ان کی عظمتِ شان کے اُن کی تعریف و توصیف کی ضرورت نہ تھی۔ بعینہٖ اسی طرح چونکہ حضرت مرزا صاحب پر آپ کے مخالفین کی طرف سے آپ کے دعوئے مہدویت کے باعث حکومت سے غداری اور اس کے خلاف تلوار کی لڑائی کی خفیہ تیاریوں کا الزام تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ اظہارِ حقیقت کے لئے زوردار الفاظ میں ان الزامات کی تردید کی جاتی۔

احراریوں کی پیش کردہ عبارتوں پر تفصیلی بحث

سول اینڈ ملٹری گزٹ (جو انگریزی حکومت کا ایک مشہور آرگن تھا) کی اشاعت ستمبر/اکتوبر ۱۸۹۴ء میں ایک مضمون شائع ہُوا۔ جس میں لکھا گیا کہ یہ ”شخص گورنمنٹ انگریزی کا بدخواہ اور مخالفانہ ارادے اپنے دل میں رکھتا ہے۔“ چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے اس مضمون کا ذکر اپنے اشتہار ۱۰ دسمبر ۱۸۹۴ء مطبوعہ تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۱۹۲، صفحہ ۱۹۳ میں کر کے اس کی تردید فرمائی ہے۔ یہی وہ اشتہار ہے جس کی جوابی عبارتوں کا حوالہ احراری معترضین دیا کرتے ہیں، لیکن بددیانتی سے اس اشتہار کی مندرجہ ذیل ابتدائی سطور کو حذف کر دیتے ہیں۔

”سول ملٹری گزٹ کے پرچہ ستمبر یا اکتوبر ۱۸۹۴ء میں میری نسبت ایک غلط اور خلاف واقعہ رائے شائع کی گئی جس کی غلطی گورنمنٹ پر کھولنا ضروری ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ صاحب راقم نے اپنی غلط فہمی یا کسی اہل غرض کے دھوکہ دینے سے ایسا اپنے دل میں میری نسبت سمجھ لیا ہے کہ گورنمنٹ انگریزی کا بدخواہ اور مخالفانہ ارادے اپنے دل میں رکھتا ہوں، لیکن یہ خیال ان کا سراسر باطل اور دور از انصاف ہے۔“۔۔۔۔۔

”سکھوں کے زمانہ میں ہمارے دین اور دنیا دونوں پر مصیبتیں تھیں۔۔۔۔۔ ان مصیبتوں سے اس گورنمنٹ کے عہد دولت نے ایکدم ہمیں چھوڑا دیا۔۔۔۔۔ اور ہم نے اگر کسی کتاب میں پادریوں کا نام دجال لکھا ہے یا اپنے تئیں مسیح موعود قرار دیا ہے تو اس کے وہ معنی مراد نہیں جو بعض ہمارے مخالف مسلمان سمجھتے ہیں۔ ہم کسی ایسے دجال کے قائل نہیں جو اپنا کفر بڑھانے کے لیے خونریزیاں کرے اور نہ کسی ایسے مسیح اور مہدی کے قائل ہیں جو تلوار کے ذریعہ سے دین کی ترقی کرے یہ اس زمانہ کے بعض کوتہ اندیش مسلمانوں کی غلطیاں ہیں جو کسی خونی مہدی یا خونی مسیح کے منتظر ہیں۔ چاہیئے کہ گورنمنٹ ہماری کتابوں کو دیکھے کہ کسقدر ہم اس اعتقاد کے دشمن ہیں۔“

”مجھے افسوس ہے کہ سول ملٹری گزٹ کے ایڈیٹر کو ان واقعات کی کچھ بھی اطلاع ہوتی تو وہ ایسی تحریر جو انصاف اور سچائی کے برخلاف ہے ہرگز شائع نہ کرتا۔“ (تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۱۹۲ تا صفحہ ۱۹۹) علاوہ ازیں

شیخ محمد حسین بٹالوی نے کئی رسائل شائع کئے جن میں یہ لکھا ہے کہ یہ شخص گورنمنٹ انگریزی کا "باغی" ہے چنانچہ اس کا ذکر حضرت مرزا صاحب نے مختلف کتب اور اشتہارات میں کیا ہے۔ چند عبارتیں ملاحظہ ہوں۔

د۔ "چونکہ شیخ محمد حسین بٹالوی اور دوسرے خود غرض مخالف واقعات صحیحہ کو چھپا کر عام لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ ایسے ہی دھوکوں سے متاثر ہو کر بعض انگریزی اخبارات جن کو واقعات صحیحہ نہیں مل سکے ہماری نسبت اور ہماری جماعت کی نسبت بے بنیاد باتیں شائع کرتے ہیں۔ سو ہم اس اشتہار کے ذریعہ سے اپنی محسن گورنمنٹ اور پبلک پر یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ ہم ہنگامہ اور فتنہ کے طریقوں سے بالکل متنفر ہیں۔"
(اشتہار ۲۷ فروری ۱۸۹۵ء تبلیغ رسالت جلد ۴ صـ۱)

پھر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں :۔

ب۔ "آپ نے جو میرے حق میں گورنمنٹ کے باغی ہونے کا لفظ استعمال کیا ہے یہ شاید اس لیے کیا ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ نالش اور استغاثہ کرنے کی میری عادت نہیں ورنہ آپ ایسے صریح جھوٹ سے ضرور بچتے۔"
(تبلیغ رسالت ۴ صـ۴۵) نیز دیکھو تبلیغ رسالت جلد ۳ صـ۱۹)

۴۴۔ تریاق القلوب کی پچاس الماریوں والی عبارت

اسی طرح احراری معترضین تریاق القلوب صـ۱۵ کی عبارت بھی خوشامد کے الزام کی تائید میں پیش کیا کرتے ہیں۔ اس میں سے "پچاس الماریوں" کے الفاظ کو خاص زور سے پیش کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص اصل کتاب نکال کر اس میں سے یہ عبارتیں پڑھے گا اسے فی الفور معلوم ہو جائیگا کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے وہاں بھی انگریزی حکومت کی تائید میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بطور "ذب" کے ہے۔ یعنی مخالفین کے الزام "بغاوت" کی تردید میں لکھا ہے۔ چنانچہ تریاق القلوب صـ۱۵ کی وہ عبارت جسے احراری معترضین پیش کرتے ہیں۔ اس سے پہلے یہ الفاظ ہیں :۔

"اور تم میں سے جو ملازمت پیشہ ہیں وہ اس کوشش میں ہیں کہ مجھے اس محسن سلطنت کا باغی ٹھہراتی میں سنتا ہوں کہ ہمیشہ خلاف واقعہ خبریں میری نسبت پہنچانے کے لئے ہر طرح سے کوشش کی جاتی ہے حالانکہ آپ لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ میں باغیانہ طریق کا آدمی نہیں ہوں۔" (تریاق القلوب صـ۱۵)

اس کے آگے وہ عبارت شروع ہوتی ہے جس کا حوالہ احراری معترضین دیا کرتے ہیں۔

نور الحق حصہ اوّل کی عبارت

احراری معترضین نور الحق حصہ اوّل کے صـ۳۰ و صـ۳۱ کا حوالہ بھی اس الزام کی تائید میں پیش کرتے ہیں لیکن جو شخص کتاب نور الحق کا صـ۲۳ پڑھیگا اس کو علم ہو جائے گا کہ یہ عبارتیں بھی پادری عماد الدین کی طرف سے عائد شدہ الزام بغاوت کے جواب میں لکھی گئیں۔ چنانچہ حضورؑ ملکہ وکٹوریہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :۔

"ایک شخص نے ایسے لوگوں میں سے جو اسلام سے نکل کر عیسائی ہو گئے ہیں۔ یعنی ایک عیسائی جو اپنے تئیں پادری عماد الدین کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ ایک کتاب ان دنوں میں عوام کو دھوکہ دینے کے لئے تالیف

کی ہے اور اس کا نام تَوِدین الاقوال رکھا ہے اور اس میں ایک خالص افتراء کے طور پر میرے بعض حالات لکھے ہیں۔ اور بیان کیا ہے کہ یہ شخص ایک مفسد آدمی اور گورنمنٹ کا دشمن ہے اور مجھے اس کے طریق چال چلن میں بغاوت کی نشانیاں دکھائی دیتی ہیں۔ اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ وہ ایسے ایسے کام کرے گا اور وہ مخالفوں میں سے ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب ہم گورنمنٹ عالیہ کو ان باتوں کی اصل حقیقت سے مطلع کرتے ہیں جو ہم پر اس نے افتراء کیں اور گمان کیا کہ ہم دولتِ برطانیہ کے بدخواہ ہیں" (نورالحق جلد۱ طبع اوّل ص۲۴ و ص۲۵)
اس کے آگے وہ عبارتیں شروع ہوتی ہیں جو احراری معترضین پیش کرتے ہیں، لیکن ص۳۰ طبع اوّل کی عبارت کو نقل کرنے میں یہ صریح تحریف اور بددیانتی کرتے ہیں کہ درمیان سے یہ عبارت حذف کر دیتے ہیں:۔

"اور مَیں نے یہ کام (گورنمنٹ سے تعاون کرنے کی تلقین) گورنمنٹ سے ڈر کر نہیں کیا۔ اور نہ اس کے کسی انعام کا امیدوار ہو کر کیا ہے" (نورالحق جلد۱ ص۳۰ طبع اوّل)

پس ظاہر ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی یہ سب عبارتیں بھی دشمن کے جھوٹے الزام کی تردید میں ہیں نہ کہ بطور "خوشامد" جیسا کہ احراری معترضین ظاہر کرتے ہیں۔

کتاب البریہ کی عبارت

اب ہم کتاب البریہ ص۳ کی عبارت کو لیتے ہیں جو احراری معترضین کی طرف سے بار بار پیش کیجاتی ہے، وہ اِن الفاظ سے شروع ہوتی ہے:۔

"یہ بھی ذکر کے لائق ہے کہ ڈاکٹر کلارک صاحب نے اپنے بیان میں کہیں اشارۃً اور کہیں صراحۃً میری نسبت بیان کیا ہے کہ گویا میرا وجود گورنمنٹ کے لئے خطرناک ہے" (کتاب البریہ ص۳)

یاد رہے کہ پادری مارٹن کلارک ایک بہت بڑا عیسائی پادری تھا، اور انگریز حکام اس کی عزت کرتے تھے، اس نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر اقدامِ قتل کا ایک جھوٹا استغاثہ دائر کیا تھا۔ اس مقدمہ کے دَوران میں اس نے بطور مستغیث عدالت میں جو بیان دیا اس میں یہ کہا تھا کہ بانی سلسلہ احمدیہ انگریزوں کا باغی ہے اور اس کا وجود انگریزوں کے لئے خطرناک ہے۔

"خود کاشتہ پودہ" والی عبارت

آخری عبارت جو احراریوں کی طرف سے اس الزام کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اشتہار ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم ص۱۹ کی ہے یہ اشتہار تبلیغ رسالت ص۸ سے شروع ہو کر ص۲۸ پر ختم ہوتا ہے۔ اس اشتہار کے ص۱۹ کے حوالہ سے احراری "خود کاشتہ پودہ" کا لفظ اپنے سیاق و سباق سے الگ کر کے پیش کرتے ہیں۔ اس الزام کا مفصل جواب تو آگے آتا ہے، لیکن اس جگہ یہ بتانا مقصود ہے کہ معترضین اس عبارت کو بھی پیش کرتے وقت دیانت سے کام نہیں لیتے اور اپنی پیش کردہ عبارت سے اوپر کی مندرجہ ذیل عبارت حذف کر جاتے ہیں۔

"مجھے متواتر اس بات کی خبر ملی ہے کہ بعض حاسد بد اندیش جو بوجہ اختلاف عقیدہ یا کسی اور وجہ سے مجھ سے بغض اور عداوت رکھتے ہیں یا جو میرے دوستوں کی نسبت خلاف واقعہ امور گورنمنٹ کے معزز حکام تک پہنچاتے ہیں اس لئے اندیشہ ہے کہ ان کی ہر روز کی مفتریانہ کارروائیوں سے گورنمنٹ عالیہ کے دل میں بدگمانی پیدا ہو۔ ...... اس بات کا علاج تو غیر ممکن ہے کہ ایسے لوگوں کا مُنہ بند کیا جائے کہ جو اختلاف مذہبی کی وجہ سے یا نفسانی حسد اور بغض اور کسی ذاتی غرض کے سبب سے جھوٹی مخبری پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔"

(تبلیغ رسالت جلد ہفتم ص۱۹)

علاوہ ازیں اس اشتہار کے شروع ہی میں اس اشتہار کی اشاعت کی غرض ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"بسا اوقات ایسے نئے فرقہ (جماعت احمدیہ) کے دشمن اور خودغرض جن کی عداوت اور مخالفت ہر ایک نئے فرقہ کے لئے ضروری ہے۔ گورنمنٹ میں خلاف واقع خبریں پہنچاتے ہیں اور مفتریانہ مخبریوں سے گورنمنٹ کو پریشانی میں ڈالتے ہیں۔ پس چونکہ گورنمنٹ عالم الغیب نہیں ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ گورنمنٹ عالیہ ایسی مخبریوں کی کثرت کی وجہ سے کسی قدر بدظنی پیدا کرے یا بدظنی کی طرف مائل ہو۔ لہٰذا گورنمنٹ عالیہ کی اطلاع کے لیے چند ضروری امور ذیل میں لکھتا ہوں۔" (تبلیغ رسالت جلد ۷ ص۸ سطر۱)

غرضیکہ اس اشتہار کی اشاعت کے لئے بھی یہی ضرورت پیش آئی تھی کہ مخالفین نے گورنمنٹ کو بانیٔ سلسلہ احمدیہ اور حضور کی جماعت کے خلاف یہ کہہ کر بدظن کرنا چاہا تھا کہ یہ لوگ گورنمنٹ کے باغی ہیں۔

احراریوں کی پیش کردہ تمام عبارتوں کو ان کے محوّلہ اصل مقام سے نکال کر دیکھ لو۔ ہر جگہ یہی ذکر ہوگا کہ چونکہ مخالفوں نے مجھ پر حکومت سے بغاوت کا جھوٹا الزام لگایا گیا ہے اس لئے مَیں ان کی تردید میں یہ لکھتا ہوں کہ یہ الزام محض جھوٹا اور بے بنیاد ہے اور میں درحقیقت گورنمنٹ کا خیرخواہ ہوں۔

پس حضرت مرزا صاحب نے جس جس جگہ انگریزی حکومت کی تعریف کی ہے وہ تعریف بطور "مدح" نہیں بلکہ بطور "ذب" کے ہے۔ یعنی رفع التباس کے لئے ہے جس طرح قرآن مجید میں حضرت مریم کی عصمت و پاکیزگی کا بالخصوص ذکر بطور مدح نہیں بلکہ بطور "ذب" کے ہے۔

ہجرت حبشہ کی مثال

اس کی ایک اور واضح مثال تاریخ اسلامی میں ہجرت حبشہ کی صورت میں موجود ہے حبشہ میں عیسائی حکومت تھی۔ مکہ میں مشرکوں کے مظالم نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کے استبداد پر عیسائی حکومت کو ترجیح دیتے ہوئے صحابہؓ کو اپنی بعثت کے پانچویں سال حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی۔ سیرت ابن ہشام میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

"جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شدّتِ بلا کو ملاحظہ فرمایا جو ان کے اصحاب پر کفاروں کی طرف سے نازل ہوئی تھی اگرچہ خود حضور بباعث حفاظت الٰہی اور آپ کے چچا ابوطالب کے سبب سے مشرکوں کی ایذاء رسانی سے محفوظ تھے۔ مگر ممکن نہ تھا کہ اپنے اصحاب کو بھی محفوظ رکھ سکتے۔ اس واسطے آپؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم ملک حبش میں چلے جاؤ تو بہتر ہے کیونکہ وہاں کا بادشاہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور وہ صدق

اور راستی کی سرزمین ہے۔"

(سیرۃ ابن ہشام مترجم اُردو مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور ۱۹۱۵ء صہ ۱۰۶)

پس حضور کے حکم کے مطابق مسلمان ایک مشرک نظام سے نکل کر ایک عیسائی حکومت کے ۔۔ میں جاکر آباد ہوگئے۔ ظاہر ہے کہ وہ وہاں حاکم ہو کر نہیں بلکہ محکوم ہو کر رہنے کے لئے گئے تھے اور فی الواقعہ محکوم ہو کر ہی رہے۔

ان مہاجرین میں علاوہ بہت سے دیگر صحابہ اور صحابیات کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفرؓ (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت اسماء رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت جعفرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت ابوحذیفہؓ، حضرت ابوموسےٰ اشعریؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح اور حضرت اُمّ المومنین اُمّ سلمہؓ رضی اللہ عنہا جیسے جلیل القدر صحابہ اور صحابیات شامل تھیں۔

حضرت اُمّ المومنین اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ جب ہم حبشہ میں تھے۔ نجاشی بادشاہ حبش کے پاس تو ہم بہت امن سے تھے۔ کوئی بُرائی کی بات ہمارے سننے میں نہ آئی تھی اور ہم اپنے دین کے کام بخوبی انجام دیتے تھے۔ پس قریش نے اپنے میں سے دو بہادر شخصوں کو جو عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن عاص ہیں۔ نجاشی کے پاس مکہ کی عمدہ عمدہ چیزیں تحفہ کے واسطے دے کر روانہ کیا۔ پس یہ دونوں شخص نجاشی کے پاس آئے اور پہلے اس کے ارکان سلطنت سے مل کر ان کو تحفے اور ہدیے دیتے اور اُن سے کہا کہ ہمارے شہر سے چند جاہل نوعمر لوگ اپنا قدیمی دین و مذہب ترک کر کے یہاں چلے آئے ہیں اور تمہارے دین میں بھی داخل نہیں ہوتے ہیں اور ایک ایسا نیا مذہب اختیار کیا ہے کہ جس کو نہ ہم جانتے ہیں نہ تم جانتے ہو۔ اب ہم بادشاہ کے پاس اس واسطے آتے ہیں کہ ان لوگوں کو بادشاہ ہمارے ساتھ روانہ کر دے۔۔۔۔۔۔ پھر اُن دونوں نے وہ ہدیے جو بادشاہ کے واسطے لائے تھے۔ اس کے حضور میں پیش کئے۔ اس نے قبول کئے۔ پھر اُن سے گفتگو کی انہوں نے عرض کیا اے بادشاہ! ہماری قوم میں سے چند نوعمر جہلا اپنے قومی مذہب کو ترک کر کے یہاں چلے آئے ہیں اور آپ کا مذہب بھی اختیار نہیں کیا ہے ایک ایسے نئے مذہب کے پیرو ہوتے ہیں جس کو نہ ہم جانتے ہیں۔ نہ آپ جانتے ہیں۔۔۔۔۔ آپ ان کو ہمارے ساتھ روانہ کر دیں۔ نجاشی کے افسرانِ سلطنت اور علماءِ مذہب نے بھی ان دونوں کے قول کی تائید کی۔۔۔۔۔۔ نجاشی بادشاہ حبش۔۔۔۔۔ نے کہا میں اُن سے اِن دونوں شخصوں کے قول کی نسبت دریافت کرتا ہوں کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ اگر واقعی یہی بات ہے جو یہ دونوں کہتے ہیں تو میں ان کو اِن کے حوالے کر دوں گا۔ اور اُن کی قوم کے پاس بھیج دونگا اور اگر کوئی اور بات ہے تو نہ بھیجوں گا۔ حضرت اُمّ سلمہ فرماتی ہیں کہ پھر نجاشی نے اصحابِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا۔۔۔۔ جب یہ لوگ (صحابہؓ) پہنچے۔ نجاشی نے اُن سے کہا۔ وہ کونسا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے اور اپنی قوم کا مذہب چھوڑ دیا۔ اور کسی اَور مذہب میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ اُم سلمہؓ فرماتی ہیں۔ صحابہ میں سے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے گفتگو کی اور عرض کیا کہ اے بادشاہ! ہم لوگ اہلِ جاہلیت تھے۔ بُتوں کی پرستش ہمارا مذہب تھا

مُردار خوری ہم کرتے تھے۔ فواحش اور گناہ کا ارتکاب ہمارا وطیرہ تھا۔ قطع رحم اور پڑوس کی حق تلفی اور ظُلم و ستم کو ہم نے جائز رکھا تھا۔ جو زبردست ہوتا وہ کمزور کو کھا جاتا۔ پس ہم ایسی ہی ذلیل حالت میں تھے جو اللہ نے ہم پر کرم کیا اور اپنا رسول ہم میں ارسال فرمایا۔۔۔۔ ہماری قوم نے اس دین حق کے اختیار کرنے پر ہم کو تکلیفیں پہنچائیں اور ہم کو ستایا تاکہ ہم اس دین کو ترک کر دیں۔ اور بُتوں کی پرستش اختیار کریں اور جس طرح افعال خبیثہ کو وہ حلال سمجھتے ہیں۔ ہم بھی حلال سمجھیں۔ پس جب اُن کا ظُلم حد سے زیادہ ہوا اور انہوں نے ہمارا وہاں رہنا دشوار کر دیا۔ ہم وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور آپ کے ملک کو ہم نے پسند کیا اور آپ کے پڑوس کی ہم نے رغبت کی اور اے بادشاہ ہم کو امید ہوئی کہ یہاں ہم ظُلم سے محفوظ رہینگے۔ نجاشی نے جعفرؓ سے پوچھا۔ کہ جو کچھ تمہارے نبی پر نازل ہوتا ہے اس میں سے کچھ تمہارے پاس ہے؟ یعنی تم کو یاد ہے۔ جعفرؓ نے کہا ہاں یاد ہے۔ نجاشی نے کہا پڑھو۔ پس جعفرؓ نے سورۃ مریم شروع کی۔"

(سیرۃ ابن ہشام مترجم اُردو صـ۱۱۱ و صـ۱۱۲ جلد ۲)

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے دربار میں سورۃ مریم بھی صرف آیت ذَالِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ (مریم: ۳۵ ع ۲) تک پڑھی تھی۔ (دیکھو تفسیر مدارک التنزیل مصنفہ امام نسفی جلد ا صـ۲۲۱ مطبع السعادۃ مصر زیر آیت ذَالِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا الخ سورۃ المائدہ: ۸۳ ع ۱۱ پ ۶ رکوع آخری)

ایک قابل غور سوال۔

اب یہاں ایک قابلِ غور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نجاشی نے قرآن مجید سُننے کی فرمائش کی تو حضرت جعفرؓ نے سارے قرآن مجید میں سے سورۃ مریم کو کیوں منتخب کیا؟ ظاہر ہے کہ سورۃ مریم قرآن مجید کی پہلی سورۃ نہیں تھی۔ حضرت جعفرؓ سورۃ فاتحہ سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف بھی پڑھ کر سُنا سکتے تھے۔ جو ہجرت حبشہ سے پہلے نازل ہو چکی تھیں اور ان تینوں سورتوں میں عیسائیت کا بالخصوص ذکر ہے۔ سورۃ فاتحہ کی آخری آیت "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ" میں یہود اور نصاریٰ کی دینی اتباع سے بچنے کی دُعا سکھائی گئی ہے اور سورۃ بنی اسرائیل اور کہف میں حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت کرنے کے علاوہ عیسائی قوم کی تباہی کی بھی خبر دی گئی ہے۔ پس اگر محض قرآن شریف کے سُنانے کا سوال تھا تو پھر اول تو حضرت جعفرؓ کو سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیئے تھی کیونکہ وہ اُم القرآن ہے اور سارے قرآن مجید کا خلاصہ ہے، لیکن سورۃ مریم قرآن مجید کا خلاصہ نہیں۔ پھر اگر عیسائیت کے متعلق اسلامی نظریہ کا بیان مقصود تھا۔ تو سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ کہف سے بڑھ کر اور کوئی بہتر انتخاب نہ ہو سکتا تھا، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ حضرت جعفرؓ نے نجاشی کے دربار میں پڑھنے کے لئے سورۃ مریم کو منتخب فرمایا۔ اور اس میں سے بھی دو رکوع بھی پورے نہیں بلکہ قریباً ۱½ رکوع کی تلاوت کی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپؑ کی والدہ حضرت مریمؑ کی تعریف و توصیف بیان کی گئی ہے اور جس حصّہ میں عیسائیت کے بارے میں کوئی اختلافی عقیدہ بیان نہیں کیا گیا۔ پھر حضرت جعفرؓ خاص طور پر آیت ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ (مریم: ۳۵)

پر آکر رُک جاتے ہیں جس سے اگلی آیت یہ ہے۔ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ (مریم:۳۶) کہ اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے وہ اس سے پاک ہے۔ اس آیت میں ابنیتِ مسیح کی نفی کی گئی ہے اور عیسائیت کے ساتھ سب سے بڑا اختلافی مسئلہ بیان کر کے اگلی آیات میں عیسائیوں کی تباہی اور اسلامی حکومت کے قیام کی پیشگوئی کی گئی ہے، لیکن حضرت جعفرؓ مصلحتاً پچھلی آیت پر آکر رک جاتے ہیں اور صرف اسی حصہ پر اکتفا کرتے ہیں جس کے سُننے سے ہر ایک عیسائی کا دل خوش ہوتا ہے۔

پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ وفدِ قریش کا اعتراض تو یہ تھا کہ یہ لوگ ایک نئے دین کے متبع ہیں جو عیسائیت سے مختلف ہے اور نجاشی نے بھی یہی اعلان کیا تھا کہ اگر اُن کا یہ دعویٰ درست ثابت ہوا تو میں مسلمانوں کو قریش کے حوالے کر دُونگا۔ اور اسی دعویٰ کی تائید یا تردید حضرت جعفرؓ سے مطلوب تھی، لیکن انہوں نے جو آیات تلاوت فرمائیں۔ اُن سے کسی رنگ میں بھی وفدِ قریش کے دعویٰ کی نہ تائید ہوتی ہے نہ تردید، پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت جعفرؓ نے اس موقعہ پر بجائے یہ کہنے کے کہ ہاں یہ درست ہے کہ ہم ایک نئے دین کے علمبردار ہیں اور ایک نئی شریعت کے حامل ہیں جس نے توراۃ اور انجیل کو منسوخ کر دیا ہے ہم حضرت مسیح کے ابن اللہ ہونے کے عقیدہ کو ایک جھوٹا اور مشرکانہ عقیدہ سمجھتے اور عیسائی مذہب کو ایک محرّف و مبدّل اور غلط مذہب سمجھتے ہیں۔ اور یہ کہ ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بلکہ تمام انبیاء گذشتہ سے ہر لحاظ سے افضل ہے آپ نے سورۃ مریم کی صرف وہ آیات تلاوت فرمائیں۔ جن میں حضرت مسیح اور حضرت مریمؑ کا تقدس اور پاکیزگی بیان کی گئی ہے، لیکن ان سب سوالوں کا جواب یہی ہے کہ چونکہ وفدِ قریش کا مقصد تحقیقِ حق نہیں تھا۔ بلکہ احراریوں کی طرح محض اشتعال انگیزی تھا اور وہ اختلافی امور میں بحث کو اُلجھا کر نجاشی، اس کے درباریوں، اور عیسائی درباریوں اور عیسائی پادریوں کو (جو اُس وقت دربار میں حاضر تھے) مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا چاہتے تھے۔ اس لئے حضرت جعفرؓ نے ان کی اس شر انگیز اور مفسدانہ سکیم کو ناکام بنانے کے لئے بجائے اختلافی امور میں اُلجھنے کے قرآن مجید کی اُس تعلیم پر زور دیا جس میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ اسی طرح انہوں نے نجاشی کی حکومت کی (جو ایک غیر مسلم نصرانی حکومت تھی) جو تعریف کی وہ سراسر درست اور حق تھی اور بطور "ذب" یعنی بغرضِ رفعِ التباس تھی۔ اس لئے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس کو "خوشامد" کہا جا سکتا ہے۔ نیز نجاشی کی حکومت کی تعریف اس وجہ سے بھی "خوشامد" نہیں کہلا سکتی کہ قریشِ مکہ کے جبر و استبداد اور ظلم و تعدی اور احیاء فی الدین کے مقابلہ میں حبشہ کی عیسائی حکومت کے اندر مذہبی آزادی اور عدل و انصاف کا دَور تھا۔ پس اس تقابل کے نتیجہ میں حضرت جعفرؓ اور دیگر مہاجر صحابہ کے دل میں جنہوں نے قریشِ مکہ کے بھڑکاتے ہوئے جلتے تنور سے نکل کر حبشہ کی عیسائی حکومت کے ماتحت امن و امان اور سکون و آرام پایا تھا۔ نجاشی کے لئے جذباتِ تشکر و امتنان کا پیدا ہونا ایک طبعی امر تھا اور پھر نجاشی کے سامنے اُن جذبات کا اظہار بموجب حکم مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ" (ابو داؤد۔ کتاب الادب۔ ترمذی کتاب البر) ضروری تھا۔

انگریزی حکومت کی تعریف سکھوں کے ظلم وستم سے تقابل کے باعث تھی

بعینہٖ اسی طرح حضرت مرزا صاحب کے زمانے میں بھی جب بعض مخالف علماء اور پادریوں نے حکومت وقت کو آپ اور آپ کی جماعت کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی اور آپ پر "باغی" ہونے کا جھوٹا الزام لگایا تو ضروری تھا کہ حضرت مرزا صاحب اس الزام کی تردید پُرزور الفاظ میں کرتے اور حکومت کو اپنے اُن جذبات امتنان سے اطلاع دیتے۔ جو سکھوں کے وحشیانہ مظالم سے نجات حاصل ہونے کے بعد انگریزی حکومت کے پُرامن دور میں آجانے کے باعث آپ کے دل میں موجود تھے۔

حضرت مرزا صاحب کی تحریرات

چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی اُن تحریرات میں جن میں آپ نے انگریزی حکومت کی امن پسندانہ پالیسی کی تعریف فرمائی ہے بار بار اس پہلو کا ذکر فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں:-

ا۔ "مسلمانوں کو ابھی تک وہ زمانہ نہیں بھولا جبکہ وہ سکھوں کی قوم کے ہاتھوں ایک دہکتے ہوئے تنور میں مبتلا تھے اور اُن کے دستِ تعدّی سے نہ صرف مسلمانوں کی دُنیا ہی تباہ تھی بلکہ ان کے دین کی حالت اس سے بھی بدتر تھی۔ دینی فرائض کا ادا کرنا تو درکنار بعض اذانِ نماز کہنے پر جان سے مارے جاتے تھے۔ ایسی حالتِ زار میں اللہ تعالیٰ نے دُور سے اس مبارک گورنمنٹ کو ہماری نجات کیلئے ابرِ رحمت کی طرح بھیجدیا۔ جس نے آن کر نہ صرف اُن ظالموں کے پنجہ سے بچایا۔ بلکہ ہر طرح کا امن قائم کرکے ہر قسم کے سامانِ آسائش مہیا کئے۔ اور مذہبی آزادی یہاں تک دی کہ ہم بلادریغ اپنے دینِ متین کی اشاعت نہایت خوش اسلوبی سے کر سکتے ہیں۔" (اشتہار ۱۰ر جولائی ۱۹۰۰ء تبلیغ رسالت جلد ۹ ص ۴)

ب۔ "رہی یہ بات کہ اُس (شیخ محمد حسین بٹالوی) نے مجھے گورنمنٹ انگریزی کا باغی قرار دیا۔ سو خدا تعالیٰ کے فضل سے اُمید رکھتا ہوں کہ عنقریب گورنمنٹ پر بھی یہ بات کھل جائے گی کہ ہم دونوں میں سے کس کی باغیانہ کارروائیاں ہیں ...... اگر یہ گورنمنٹ ہمارے دین کی محافظ نہیں تو پھر کیونکر شریروں کے حملوں سے محفوظ ہیں۔ کیا یہ امر کسی پر پوشیدہ ہے کہ سکھوں کے وقت میں ہمارے دینی اُمور کی کیا حالت تھی اور کیسے ایک بانگ نماز کے سُننے سے بھی مسلمانوں کے خون بہائے جاتے تھے۔ کسی مسلمان مولوی کی مجال نہ تھی۔ کہ ایک ہندو کو مسلمان کر سکے۔" (اشتہار ۲۷ر دسمبر ۱۸۹۶ء تبلیغ رسالت جلد ۷ ص ۶۸)

پھر فرماتے ہیں:-

ج۔ "اُن احسانات کا شکر کرنا ہم پر واجب ہے جو سکھوں کے زوال کے بعد ہی خدا تعالیٰ کے فضل نے اس مہربان گورنمنٹ کے ہاتھ سے ہمارے نصیب کئے ..... اگرچہ گورنمنٹ کی عنایات سے ہر ایک کو اشاعت مذہب کے لئے آزادی ملی ہے۔ لیکن اگر سوچ کر دیکھا جائے تو اس آزادی کا پورا پورا فائدہ

محض مسلمان اُٹھا سکتے ہیں اور اگر عمداً فائدہ نہ اُٹھائیں تو اُن کی بدقسمتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ گورنمنٹ نے.... کسی کو اپنے اصولوں کی اشاعت سے نہیں روکا، لیکن جن مذہبوں میں سچائی کی قوت اور طاقت نہیں کیونکر ان مذہبوں کے واعظ اپنی ایسی باتوں کو وعظ کے وقت دلوں میں جما سکتے ہیں؟ ------ اس لئے مسلمانوں کو نہایت ہی گورنمنٹ کا شکرگزار ہونا چاہیئے کہ گورنمنٹ کے اس قانون کا وہی اکیلے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔"

(اشتہار ۲۲ر ستمبر ۱۸۹۵ء تبلیغ رسالت جلد ۴ صفحہ ۳۰/۳۲ ۔ نیز ملاحظہ ہو تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۱۹۳)

تنور سے نکلکر دُھوپ میں

پس مطابق مقولہ ؎

وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ

انگریزی نظام حکومت قابلِ تعریف تھا، لیکن اس لئے نہیں کہ وہ اپنی ذات میں آئیڈیل نظام تھا۔ بلکہ اس لئے کہ اپنے پیشرو سکھ نظام کے مسلمانوں پر ننگِ انسانیت مظالم اور جبر و استبداد کے مقابلہ میں اس نظام کی مذہبی روا داری اور شہری حقوق میں عدل و انصاف کا قیام عمدہ اور لائق شکریہ تھا۔ مسلمانان ہند کی مثال اُس شخص کی سی تھی جو بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں میں پڑا جل رہا ہے اور اُس کو کوئی ہاتھ اُس آگ میں سے نکال کر دھوپ میں ڈال دے۔ اب اگرچہ وہ شخص دھوپ میں ہے، لیکن آگ کے شعلوں کی تپش کے تصور سے وہ اُس ہاتھ کو رحمتِ خداوندی جان کر اس کا شکریہ ادا کریگا اور اگر ایسا نہ کرے تو کافر نعمت ہوگا۔ پھر یہ جذبات تشکر اُسی طرح کے تھے جس طرح مہاجرین حبشہ نے قریش مکہ کے جبر و استبداد کے مقابلہ میں حبشہ کے عیسائی نظام کو ایک فضل خداوندی اور نعمت غیر مترقبہ سمجھا۔ یہاں تک کہ دشمنوں کے مقابلہ میں نجاشی کی کامیابی اور کامرانی کے لیے صحابہ رو رو کر دُعائیں بھی کرتے رہے چنانچہ حضرت اُمّ المومنین اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:۔

" ہم نے وہاں (حبشہ میں) نہایت اطمینان سے زندگانی بسر کی۔ پھر تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ نجاشی کی سلطنت میں کوئی دعویدار پیدا ہوا اور اس نے نجاشی پر لشکر کشی کی۔ فرماتی ہیں۔ اس خبر کو سُن کر ہم لوگ بہت رنجیدہ ہوئے اور یہ خیال کیا کہ اگر خدانخواستہ وہ مُدعی غالب ہوا۔ تو نا معلوم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے؟ فرماتی ہیں۔ نجاشی بھی اپنا لشکر لے کر اُس کے مقابلہ کو گیا اور دریائے نیل کے اُس پار جنگ واقع ہوئی۔ فرماتی ہیں۔ صحابہ نے آپس میں کہا۔ کوئی ایسا شخص ہو جو دریا کے پار جا کر جنگ کی خبر لائے۔ ...... زبیر بن عوامؓ نے کہا۔ میں جاتا ہوں۔ صحابہ نے ایک مشک میں ہُوا بھر کے ان کے حوالے کی اور وہ اُس کو سینے کے تلے دبا کر تیرتے ہوئے دریا کے پار گئے۔ اور وہاں سے سب حال تحقیق کر کے واپس آئے۔ فرماتی ہیں۔ ہم یہاں نجاشی کی فتح کے واسطے نہایت تضرع و زاری کے ساتھ خدا سے دُعا مانگ رہے تھے کہ اتنے میں زبیر بن عوامؓ واپس آئے اور کہا کہ اے صحابہ! تم کو خوشخبری ہو کہ نجاشی کی فتح ہوئی اور اللہ تعالٰی نے اس کے دشمن کو ہلاک کیا۔ فرماتی ہیں۔ پھر تو نجاشی کی سلطنت خوب مستحکم ہو گئی اور جب تک ہم وہاں رہے نہایت چین اور آرام سے

رہے۔ یہاں تک کہ پھر حضورؐ کی خدمت میں مکہ میں حاضر ہوتے ؛

(سیرت ابن ہشام مترجم اردو صفحہ ۱۱۳ جلد ۲)

پس اگر کوئی انصاف پسند اور غیر متعصب انسان سکھ نظام کے صبر آزما دور ۱۸۵۷ء کے سانحہ اور اس کے بعد کے تاریخی حالات کو مدِّنظر رکھ کر ان عبارات کو پڑھے اور اس امر کو بھی پیش نظر رکھے کہ وہ تحریرات مخالفین کی طرف سے انگریزی گورنمنٹ کا باغی ہونے کے جھوٹے الزام کی تردید میں ضرورتاً لکھی گئی تھیں۔ تو وہ کبھی ان کو محلِ اعتراض قرار نہیں دے سکتا۔

تصویر کا دوسرا رُخ

پھر یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ نے انگریز کی جتنی بھی تعریف کی ہے وہ صرف مادّی اور دنیوی اُمور میں اُس کی قابلِ تعریف خوبیوں کی ہے، لیکن جہاں تک دینی اور رُوحانی پہلو کا تعلق ہے۔ آپ نے انتہائی صفائی کے ساتھ لگی لپٹی رکھے بغیر بے خوف ہو کر اس کی انتہائی مذمّت کی ہے اور آپ نے کبھی اس امر کی پرواہ نہیں کی۔ کہ انگریز آپ کی ان تحریرات سے ناراض ہوتا ہے یا نہیں ؟

آپ نے انگریز کو دجّال قرار دیا

چنانچہ آپ وہ پہلے انسان ہیں جس نے انگریزی قوم کو "دجّال موعود" قرار دیا اور میں سمجھتا ہوں کہ کوئی اس امر میں اختلاف نہیں کر سکتا۔ کہ عربی زبان میں "دجّال" سے زیادہ ذلیل نام اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ آپ نے دعویٰ مسیحیت کے بعد جو سب سے پہلی کتاب "ازالہ اوہام" لکھی اسی میں آپ نے بدلائل بیّنہ یہ ثابت کیا کہ احادیثِ نبویؐ میں جس دجّال کے آخری زمانہ میں ظہور کی خبر دی گئی تھی۔ وہ یہی انگریز قوم ہے آپ نے ریل گاڑی کو "خرِ دجّال" قرار دیا۔ کیونکہ احادیثِ نبویؐ اور روایات میں جو علامات "دجّال" اور اس کے گدھے کی بتائی گئی تھیں وہ انگریز اور اُن کی ایجاد کردہ ریل گاڑی میں پائی جاتی تھیں۔

دجّال کے کانا ہونے کی تشریح

احادیثِ نبوی میں یہ بتایا گیا تھا کہ "دجّال" دائیں آنکھ سے کانا ہوگا، لیکن اُس کی بائیں آنکھ کی نظر غیر معمولی طور پر تیز ہوگی۔ اور اس کی تشریح علماء گذشتہ نے یہ کی تھی کہ دائیں آنکھ سے دین اور بائیں آنکھ سے دُنیا مراد ہے۔ دائیں آنکھ سے دجّال کے کانا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین اور رُوحانیت سے یکسر بے بہرہ ہوگا، لیکن اُس کی بائیں آنکھ کے اچھا اور عمدہ ہونے بلکہ بموجب حدیث مسند احمد (باب خروج دجّال) بروایت ابنِ عباس "كَأَنَّهُ كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ" "چمکتے ستارے کی طرح) ہونے سے مراد یہ تھی کہ وہ دنیوی اور مادّی امور میں بہت ترقی کرے گا اور دنیوی نقطۂ نگاہ سے اُس کے کام قابلِ تعریف ہوں گے۔ حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ نے ہمیشہ اپنی تحریرات میں انگریزوں کے ان دونوں پہلوؤں کو مدِّنظر رکھا۔ یعنی انکے دنیوی نظام

کے قابلِ تعریف حصّہ کو سراہا، لیکن دینی اور رُوحانی امور میں ان کی ضلالت و گمراہی کی سخت سے سخت الفاظ میں مذمت کی۔

خرِ دجّال کی علامات

پھر خرِ دجّال کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی تھی کہ وہ ایک ایسی سواری ہوگی جو آگ اور پانی کے یکجا بند کرنے سے (بھاپ سے) چلے گی۔

تَخْرُجُ نَارٌ مِّنْ حَبْسِ سَيْلٍ تَسِيْرُ مَطِيَّةَ الْاِبِلِ تَسِيْرُ بِالنَّهَارِ وَتُقِيْمُ بِاللَّيْلِ مَنْ اَدْرَكَتْهُ اَكَلَتْهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ يَعْلٰى وَالْبَغْوِيُّ وَالْبَاوَرْدِيُّ وَابْنُ قَانِعٍ وَابْنُ حَبَّانٍ وَالطَّبْرَانِيُّ وَالْحَاكِمُ وَابْنُ نُعَيْمٍ وَالْبَيْهَقِيُّ۔

(کنز العمال باب منتخب علامات کبریٰ قیامت و مسک العارف ص۵۱)

ترجمہ:۔ "وہ سواری پانی اور آگ کے بند کرنے سے اونٹوں کی طرح چلے گی۔ کبھی دن کو چلے گی اور رات کو ٹھہریگی۔ اور کبھی دن کو بھی اور رات کو بھی چلے گی۔ جو اس کے پاس جائے گا۔ اُسے اپنے اندر نگل جائیگی۔"

پھر لکھا تھا:۔

"رَكْبُ ذَوَاتِ السُّرُوْجِ وَالْفُرُوْجِ۔" (بحار الانوار جلد ۱۳ ص۵۳)

کہ وہ ایسی سواری ہوگی جس میں بہت سے چراغ روشن ہونگے اور اس کے اندر بہت سے دروازے اور کھڑکیاں ہونگی۔

حدیث میں اُسے گدھا قرار دیا گیا ہے۔ لَهٗ حِمَارٌ مَا بَيْنَ عَرْضِ اُذُنَيْهِ اَرْبَعِيْنَ بَاعًا۔ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَابْنُ عَسَاكِرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ (کنز العمال جلد ۷ ص۲۰۰ و اقتراب الساعۃ ص۱۴۳)

کہ دجّال کے ساتھ گدھا ہوگا جس کے دونوں کانوں کا درمیانی فاصلہ چالیس باع ہوگا۔ پس ایسا گدھا جس کے دو کانوں کے درمیان ستر اسّی گز کا فاصلہ ہوگا آگ اور پانی کے بند کرنے سے چلے اور جس کے اندر بہت سے چراغ روشن ہوں۔ کھڑکیاں اور دروازے ہوں اور لوگوں اور سامان کو اپنے پیٹ کے اندر ڈال لے گدھی کا بچہ تو ہو نہیں سکتا وہ یقیناً ریل گاڑی ہی ہے۔

انگریز کو ماجوج قرار دیا

پھر حضرت مرزا صاحب نے نہ صرف یہ کہ انگریزی قوم کو "دجّال" قرار دیا۔ بلکہ ان کو "ماجوج" بھی ثابت کیا اور فرمایا کہ آخری زمانہ میں جو یاجوج اور ماجوج نامی دو خطرناک قوموں کے خروج کی پیش گوئی قرآن شریف اور حدیث میں کی گئی ہے وہ روس اور انگریز۔ یعنی یاجوج سے مراد روسی قوم اور ماجوج سے مراد انگریز قوم ہے۔ (دیکھو ازالہ اوہام مطبوعہ ۱۸۹۱ء / ۱۳۰۹ھ ص۵۰۳ طبع اوّل)

پس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے انگریزوں کو "دجّال" اور "ماجوج" قرار دیکر

اُن کی رُوحانی اور دینی لحاظ سے مکروہ شکل کو اس کے اصلی رنگ میں دُنیا کے سامنے پیش کیا۔

دو نہریں

انگریز کے پاس دینی اور دنیوی نقطۂ نگاہ سے دو نہریں تھیں۔ وہ ہندوستان میں سیاسی تفوق کے باعث دنیوی حکومت کرنا چاہتا تھا اور دینی نقطۂ نگاہ سے وہ اہلِ ہند کو نوکِ شمشیر سے نہیں بلکہ تبلیغ ترغیب و تحریص وغیرہ ذرائع سے عیسائی بنانا چاہتا تھا۔ ہندوستانی عوام اور مسلمان انگریزوں کی تبلیغی مساعی کی طرف تو کوئی توجہ ہی نہ کرتے تھے اور نہ اسکے خطرہ کو محسوس کرتے تھے ECCLESIASTICAL DEPARTMENT کو جو انگریزی حکومت کا ایک شعبہ تھا۔ اور جس کی سرپرستی میں تمام مشنری نظام چل رہا تھا۔ مسلمانوں نے کبھی بھی درخورِ اعتنا نہیں سمجھا اور نہ اس کے خلاف کبھی آواز اُٹھائی۔ انھوں نے اگر کبھی کوئی آواز اُٹھائی تو وہ انگریزوں کے سیاسی تفوق اور اقتدار کے خلاف تھی۔ گویا انگریز کی پیش کردہ دو نہروں (دینی اور دنیوی سرگرمیوں) میں سے اکثر مسلمانوں نے دینی نہر کو کبھی محلِ اعتراض نہ ٹھہرایا لیکن دنیوی نہر کو اپنے لئے ناقابلِ برداشت قرار دیتے ہوئے انگریز کے سیاسی و دنیوی اقتدار کو قبول کرنا اپنے لئے موت سمجھا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمثیلی زبان میں یہ ہدایت فرمائی تھی:-

"مَعَهٗ نَهْرَانِ تَجْرِيَانِ اَحَدُهُمَا رَأْيَ الْعَيْنِ مَاءٌ اَبْيَضُ وَالْاٰخَرُ رَأْيَ الْعَيْنِ نَارٌ تَاجِجُ فَاَمَّا اَدْرَكَنَّ وَاحِدٌ مِّنْكُمْ فَلْيَاْتِ النَّهْرَ الَّذِيْ يَرَاهُ نَارًا ثُمَّ لِيُغْمِضْ ثُمَّ لِيُطَاطِئْ رَأْسَهٗ فَلْيَشْرَبْ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مَاءٌ بَارِدٌ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ عَنْ حُذَيْفَةَ وَاَبِيْ مَسْعُوْدٍ مَعًا۔

(کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۹۵، ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۶۵ کتاب الملاحم باب خروج الدجال و اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۳۵)

کہ دجّال اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ دو جاری رہنے والی نہریں ہونگی۔ ایک تو بظاہر سفید پانی کی نظر آنے والی ہوگی اور دوسری بظاہر شعلہ بار آگ نظر آئیگی۔ پس جو تم میں سے دجّال کا زمانہ پائے تو اُسے چاہیئے کہ وہ اس نہر پر جائے جو بظاہر آگ نظر آنے والی ہوگی۔ پھر کلی کرے۔ پھر سر نیچا کرکے پانی سر پر ڈالے اور پی لے۔ کیونکہ وہ ٹھنڈا پانی ہوگا۔

حدیث کی تشریح

اس حدیث میں بھی دراصل اُس دوسری تمثیل ہی کو نئے انداز میں پیش کیا گیا ہے جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ دجّال کی دو آنکھوں میں سے ایک کی بصارت تیز تر ہوگی، لیکن دوسری آنکھ نابینا ہوگی۔ پس مندرجہ بالا حدیث میں بھی دو نہروں سے مراد دجّال کی دینی اور دنیوی تحریکیں ہی ہیں۔ اور حضور کا منشا یہ ہے۔ کہ جہاں تک اُس کی دینی اور مذہبی کارروائیوں کا تعلق ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اُن سے اغماض نہ برتیں بلکہ پورے زور سے ان کا مقابلہ کریں اور دینِ اسلام کا رُوحانی تفوق بدلائل قویہ دجّال کے مذہب پر ثابت کریں، لیکن جہاں تک اس کی دُنیوی کوششوں کا تعلق ہے گو اِس وجہ سے کہ اس نے نام کی مسلمان مغل حکومت سے ہندوستان کی زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی ہوگی۔ مسلمان اُس کے سیاسی اقتدار کے

آگے جھکنے کو اپنے لئے آگ میں کودنا تصور کریں گے۔ پھر بھی اس نظام کے ساتھ تعاون کرنے ہی میں مسلمانوں کا فائدہ مضمر ہوگا۔ اِسی لئے حضورؐ نے فرمایا کہ "دجال کے اس پانی کو سر نیچا کر کے اپنے سر پر ڈال لینا، یعنی اس کی حکومت کو قبول کر لینا اور فَلْيَشْرَبْ مِنْهُ" کا مطلب یہ تھا کہ اس کے ساتھ تعاون کرنا۔

جیسا کہ ابتدائی سطور میں بتایا جا چکا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے سانحہ کے بعد کے حالات کا طبعی اقتضاء یہی تھا کہ مشرکین یعنی ہندوؤں اور سکھوں کے مقابلہ میں مسلمانانِ ہند نصرانی حکومت کو ترجیح دیتے اور ہندو کی جاری کردہ تحریک عدمِ تعاون میں شامل نہ ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے کسی خوشامد کے خیال سے نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل میں جہاں تک انگریز کی دنیوی سیاست کا تعلق تھا اُس کی حکومت کو جو آپ کے مامور ہونے سے بیسیوں سال پہلے قائم اور استوار ہو چکی تھی اور جس نے سکھوں کے مظالم کا قلع قمع کر کے مسلمانوں کے لئے مذہبی اور معاشرتی آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ اور جس نے دنیوی علم و فنون کا راستہ مسلمانوں کیلئے کھولا تھا۔ اپنے تعاون کا یقین دلاتے، لیکن جہاں تک انگریز کی پیشکردہ دوسری شر (عیسائیت کی تبلیغ) کا تعلق ہے آپنے دوسرے مسلمانوں کی طرح اس سے اغماض نہیں کرتا، بلکہ تن تنہا اس کا دلیرانہ مقابلہ کیا۔ اور اس بات کی قطعاً پروا نہ کی کہ انگریز آپ کی عیسائیت کے خلاف کوششوں سے ناراض ہوتا ہے یا نہیں۔

آپنے انگریز کے خدا کو مُردہ ثابت کیا

آپ نے عیسائیت کے مقابلہ میں جو سب سے زبردست اور فیصلہ کن حربہ استعمال فرمایا۔ وہ انگریزوں کے "خدا" مسیح ناصری کی وفات کا مسئلہ تھا۔ آپ نے بدلائل قویہ ثابت کیا کہ مسیح ناصری وفات پا چکے ہیں اور سری نگر محلہ خان یار میں مدفون ہیں۔

آپ نے کوئی کتاب بھی ایسی تصنیف نہیں فرمائی جس میں اس مسئلہ پر زور نہ دیا ہو۔ احراری معترضین "پچاس الماریوں" کا بار بار ذکر کرتے ہیں، لیکن ان کتابوں میں نصرانیت کے جھوٹا اور ناقابل قبول مذہب ہونے کے بارے میں جو دلائل قویہ مذکور ہیں۔ ان کا کیوں ذکر نہیں کرتے؟ کیا یہ انگریز کی خوشامد کا نتیجہ تھا کہ:-

۱۔ آپ نے انگریز کو دجال قرار دیا۔
۲۔ آپ نے انگریز کو ماجوج ثابت کیا۔
۳۔ آپ نے انگریز کے خدا کی وفات بدلائل قویہ ثابت کر کے صلیب کو توڑ دیا۔
۴۔ آپ نے امریکہ اور انگلستان میں تبلیغی لٹریچر شائع کیا اور کئی انگریزوں اور امریکنوں کو حلقہ عیسائیت سے نکال کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زنجیر غلامی میں جکڑ دیا۔

ملکہ وکٹوریہ کو دعوتِ اسلام دی

اس ضمن میں یہ امر خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں ہندوستان میں اور تمام دُنیا میں چالیس کروڑ

مسلمان موجود تھے۔ کئی اسلامی سلطنتیں موجود تھیں، لاکھوں کی تعداد میں علماء بھی موجود تھے۔ مصر میں، دیوبند میں فرنگی محل میں۔ بریلی میں۔ سہارن پور میں۔ دہلی میں، لکھنو وغیرہ میں ہزاروں اسلامی ادارے تھے۔ بڑے بڑے مسلمان نواب اور بادشاہ موجود تھے۔ لیکن کیا یہ امر تعجب خیز نہیں کہ ان کروڑوں مسلمانوں میں سے سوائے بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے کسی ایک کو بھی یہ توفیق نصیب نہ ہوئی کہ ملکہ وکٹوریہ کو دعوتِ اسلام دے سکے۔ یا بیرونی عیسائی ممالک میں تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کرے ؟

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ ملکہ وکٹوریہ کو مخاطب کرکے تحریر فرماتے ہیں :۔

"اس (خدا) نے مجھے اس بات پر بھی اطلاع دی ہے کہ درحقیقت یسوع مسیح خدا کے نہایت پیارے اور نیک بندوں میں سے ہے ..... لیکن جیسا کہ گمان کیا گیا ہے۔ خدا نہیں ہے"۔

(تحفہ قیصریہ صفحہ ۲۰، ۲۱ طبع اوّل)

"میرا شوق مجھے بیتاب کر رہا ہے کہ میں اُن آسمانی نشانوں کی حضرت عالی قیصرۂ ہند میں اطلاع دوں میں حضرت یسوع مسیح کی طرف سے ایک سچے سفیر کی حیثیت میں کھڑا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ جو کچھ آجکل عیسائیت کے بارے میں سکھایا جاتا ہے۔ یہ حضرت یسوع مسیح کی حقیقی تعلیم نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر حضرت مسیح دُنیا میں پھر آتے۔ تو وہ اس تعلیم کو شناخت نہ کر سکتے"۔

(تحفہ قیصریہ صفحہ ۲۷۲-۲۷۳)

اِس میں کچھ شک نہیں کہ قرآن نے اُن باریک پہلوؤں کا لحاظ کیا ہے جو انجیل نے نہیں کیا ..... اسی طرح قرآن عمیق حکمتوں سے پُر ہے اور ہر ایک تعلیم میں انجیل کی نسبت حقیقی نیکی کے سکھلانے کے لیے آگے قدم رکھتا ہے۔ بالخصوص سچے اور غیر متغیر خدا کے دیکھنے کا چراغ تو قرآن ہی کے ہاتھ میں ہے اگر وہ (قرآن) دنیا میں نہ آیا ہوتا تو خدا جانے دُنیا میں مخلوق پرستی کا عدد کس نمبر تک پہنچ جاتا۔ سو شکر کا مقام ہے کہ خدا کی وحدانیت جو زمین سے گم ہوگئی تھی دوبارہ پھر قائم ہوگئی"۔

(تحفہ قیصریہ صفحہ ۳۱ طبع اوّل)

پھر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں :۔

"اے قادر و توانا ! .... قیصرۂ ہند کو مخلوق پرستی کی تاریکی سے چھڑا کر "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پر اس کا خاتمہ کر"۔

(اشتہار ۲۵ جون ۱۸۹۷ء تبلیغ رسالت جلد ۶ صفحہ ۱۳۲)

غرضیکہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے جہاں انگریزی حکومت کے اس پہلو کی تعریف کی کہ وہ دین میں مداخلت نہیں کرتی اور رعایا کے مختلف الخیال اور مختلف العقیدہ عناصر کے مابین عدل و انصاف کی پالیسی پر عمل کرتی ہے وہاں آپ نے اُس کے دینی اور رُوحانی پہلو کے خلاف سب سے پہلے علمِ جہاد بلند کیا اور اس شان سے کیا کہ اس میدان میں آپ کے سوا ساری دُنیا کے مسلمانوں میں سے ایک شخص بھی نظر نہیں آتا۔

پس جس طرح باوجود اس امر کے کہ شراب "اُمُّ الْخَبَائِثِ" ہے یعنی بدترین چیز ہے قرآن مجید میں

اللہ تعالیٰ نے جہاں اس کی برائیوں کی مذمت فرمائی ہے۔ وہاں اس کی خوبیوں کا اعتراف بھی فرمایا ہے اسی طرح حضرت مرزا صاحب نے انگریزوں کے اچھے اور قابلِ تعریف کاموں کو جہاں سراہا ہے وہاں انکے بُرے اور قابلِ نفرت و اصلاح کاموں کی پُرزور مذمت بھی فرمائی ہے۔

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کُتب میں انگریزی دَور کی تعریف میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اُس کو سمجھنے کے لئے سکھوں کے جبر و استبداد اور اُنکے وحشیانہ مظالم کی طویل داستان ۱۸۵۷ء کا سانحہ اور اس کے ماسبق و مابعد کا تاریخی پس منظر، مسلمانوں کی مذہبی و رُوحانی، تعلیمی و اقتصادی حالت کا علم ہونا ضروری ہے اور یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ وہ سب تحریرات جو مخالفین کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں۔ مخالفین کی طرف سے عائد کردہ بغاوت کے جھوٹے الزام کے جواب میں بطور "ذب" ہیں۔ پھر یہ کہ حضور علیہ السلام یا حضورؑ کی جماعت یا اولاد نے انگریزی حکومت سے ایک کوڑی کا بھی نفع حاصل نہیں کیا۔ نہ کوئی جاگیر لی، نہ خطاب، نہ مربعے۔ بلکہ جو حق بات تھی اُسکا فروتناً اظہار کیا گیا۔

پھر یہ ضروری پہلو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ جہاں حضرت مرزا صاحب نے انگریزی قوم کی دنیوی اور مادی ترقیات کے لیے اُن کی تعریف کی ہے وہاں اُن کے رُوحانی اور مذہبی نقائص کی اس سے زیادہ زور کے ساتھ مذمت بھی فرمائی ہے (اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی نظم مندرجہ نور الحق حصہ اول ص۹۲ تا ص۹۹ طبع اول و درثمین عربی ص۱۰۱ یا ص۱۱۸ بھی ملاحظہ فرمائیں جس میں حضرت نے اللہ تعالیٰ سے ہندوستان میں عیسائیوں کے غلبہ اور تسلط کے خلاف فریاد کر کے اُن کی تباہی اور ہلاکت کے لیے بد دُعا فرمائی ہے)۔

۴۵- خود کاشتہ پودہ کا الزام

مرزا صاحب نے اپنے مکتوب ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء بنام لیفٹیننٹ گورنر بہادر پنجاب میں لکھا ہے کہ جماعت احمدیہ انگریزوں کا "خود کاشتہ پودا" زیر گذارش ص۵ مجموعہ اشتہارات جلد ۳ ص۲۱ ہے۔

جواب: (۱) جھوٹ ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے ہرگز ہرگز جماعت احمدیہ کو انگریزوں کا "خود کاشتہ پودا" قرار نہیں دیا۔ اگر یہ ثابت کر دو کہ حضرت اقدسؑ نے اپنی جماعت کو انگریزوں کا "خود کاشتہ پودہ" قرار دیا ہے تو منہ مانگا انعام لو۔

(۲) حضرت اقدس علیہ السلام کا یہ مکتوب کوئی مخفی یا پوشیدہ دستاویز نہیں ہے جو تمہارے ہاتھ لگ گئی ہے بلکہ حضرت اقدسؑ نے خود اِس مکتوب کو طبع کرا کے اشتہار کی صورت میں بکثرت پبلک میں تقسیم کرایا تھا اور پھر حضورؑ کی وفات پر وہ اشتہار تبلیغ رسالت جلد ہفتم ص۱۹ تا ص۲۰ پر طبع ہوا۔

(۳) اس مکتوب میں حضرت اقدس علیہ السلام نے "خود کاشتہ پودہ" کا لفظ حضرت کے خاندان کی دیرینہ خدمات کے پیشِ نظر اس خاندان کی نسبت استعمال فرمایا ہے۔ نہ کہ جماعت احمدیہ کے متعلق۔ چنانچہ حضورؑ تحریر فرماتے ہیں

"مجھے متواتر اس بات کی خبر ملی ہے کہ بعض حاسد بد اندیش جو بوجہ اختلاف عقیدہ یا کسی اور وجہ سے مجھ سے بُغض اور عداوت رکھتے ہیں یا جو میرے دوستوں کے دشمن ہیں میری نسبت اور میرے دوستوں کی نسبت خلافِ واقعہ اُمور گورنمنٹ کے معزز حکام تک پہنچاتے ہیں۔ اس لئے اندیشہ ہے کہ اُن کی ہر روز کی مفتریانہ کارروائیوں سے گورنمنٹ عالیہ کے دل میں بدگمانی پیدا ہو کر وہ تمام جانفشانیاں پچاس سالہ میرے والد مرحوم مرزا غلام مرتضٰی اور میرے حقیقی بھائی مرزا غلام قادر مرحوم کی جنکا تذکرہ سرکاری چٹھیات اور سر لیپل گریفن کی کتاب "رئیسانِ پنجاب" میں ہے۔ نیز میرے قلم کی وہ خدمات جو میری اٹھارہ سال کی تصنیفات سے ظاہر ہیں سب کی سب ضائع اور برباد ہو جائیں اور خدانخواستہ سرکار انگریزی اپنے قدیم وفادار اور خیر خواہ خاندان کی نسبت کوئی تکدرِ خاطر اپنے دل میں پیدا کرے اس بات کا علاج تو غیر ممکن ہے کہ ایسے لوگوں کا مُنہ بند کیا جائے کہ جو اختلافات مذہبی کی وجہ سے یا نفسانی حسد اور بغض اور کسی ذاتی غرض کے سبب سے جھوٹی مخبری پر کمربستہ ہو جاتے ہیں التماس ہے کہ سرکارِ دولتمدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار جانثار خاندان ثابت کر چکی ہے۔ اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے پکے خیر خواہ اور خدمتگذار ہیں۔ اس خود کاشتہ پودہ کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے۔"

(تبلیغ رسالت جلد ہفتم صـ۱۹، صـ۲۰ و مجموعہ اشتہارات جلد ۳ صـ۲۱)

عبارت مندرجہ بالا صاف ہے اور کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ اس میں حضرت اقدسؑ نے جماعت احمدیہ یا اپنے دعاوی کو سرکار کا "خود کاشتہ پودہ" قرار نہیں دیا، بلکہ یہ لفظ اپنے خاندان کی گذشتہ خدمات کے متعلق استعمال فرمایا ہے ورنہ اپنے دعاوی کی نسبت تو حضرت اقدسؑ نے اسی خط میں صاف طور پر لیفٹیننٹ گورنر کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ مَیں نے دعوٰے خُدا کے حکم سے اس کی وحی اور الہام سے مشرف ہو کر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تبلیغ رسالت جلد ۷ صـ۱ سطر ۶۔ "خدا تعالیٰ نے مجھے بصیرت بخشی اور اپنے پاس سے مجھے ہدایت فرمائی۔"

نوٹ :- اس سلسلہ میں تفصیل مزید "انگریز کی خوشامد کے الزام" کے جواب میں گذر چکی ہے جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام نے یہ اشتہار مخالفین کے اِس الزام کے جواب میں بطور "ذب" یعنی بغرض رفعِ التباس شائع فرمایا تھا۔ نہ کہ بطور مدح! مخالفین نے حضرت اقدس علیہ السلام پر گورنمنٹ کا باغی اور "غدار" ہونے کا الزام لگایا تھا۔ یہ الزام لگانے والے صرف مذہبی مخالف ہی نہیں بلکہ حضرت کے خاندانی اور ذاتی دشمن بھی تھے۔ جیسا کہ اسی "خود کاشتہ پودہ" والی مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہے۔

۴۔ حضرت اقدسؑ کی ساری عمر عیسائیت کے استیصال میں گذری آپ وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے انگریزوں اور دوسری یورپین اقوام اور پادریوں کو کھلے الفاظ میں ۱۸۹۰ء میں (یعنی اس مکتوب سے آٹھ سال پہلے)" دجال" قرار دیا۔ انجیلی تعلیم اور انجیلی یسوع کی وہ خبر لی کہ ممکن نہیں کہ اِس کو پڑھ کر عیسائی خوش ہو۔ پس یہ کہنا کہ وہ حکومتِ انگریزی جس کا مذہب عیسائیت ہے اور جو لاکھوں روپیہ چرچ کے ذریعہ تبلیغ عیسائیت

میں صرف کرتی ہے۔ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عیسائیت کی تردید اور استیصال کے لئے سازش کرکے کھڑا کیا۔ انتہائی شرارت اور کذب بیانی ہے۔

۵۔ اگر بقول تمہارے حضرت اقدسؑ نے مسیحیت اور مہدویت کا دعویٰ انگریز کی "سازش" سے کیا تھا اور آپ اس کے "ایجنٹ" تھے تو پھر آپ کو مخالفین کی ریشہ دوانیوں کے باعث یہ خوف کس طرح ہو سکتا تھا کہ گورنمنٹ کے دل میں بدگمانی پیدا ہوگی۔ پس جیسا کہ اس عبارت کے لفظ "خاندان" سے ثابت ہے حضرت اقدسؑ کا اشارہ اسی اشتہار کے صلا کی مندرجہ ذیل عبارت کے مضمون کی طرف ہے۔

"ہمارا خاندان سکھوں کے ایام میں ایک سخت عذاب میں تھا اور نہ صرف یہی تھا کہ انہوں نے ظلم سے ہماری ریاست کو تباہ کیا اور ہمارے صدہا دیہات اپنے قبضہ میں کئے بلکہ ہماری اور تمام پنجاب کے مسلمانوں کی دینی آزادی کو بھی روک دیا۔ ایک مسلمان کو بانگِ نماز پر بھی مارے جانے کا اندیشہ تھا۔ چہ جائیکہ اور رسوم عبادت آزادی سے بجالا سکتے۔ پس یہ اس گورنمنٹِ محسنہ کا احسان تھا کہ ہم نے اس جلتے ہوئے تنور سے خلاصی پائی۔" (صلا سطر ۱)

پس اس تمام عبارت میں حضرت اقدسؑ اپنے خاندان کی تباہ شدہ جاگیر اور پھر اس کے ایک نہایت ہی قلیل حصہ کی انگریزی حکومت کے زمانے میں واگذاری کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں نہ کہ اپنی جماعت کی طرف۔

۶۔ حضرت اقدس علیہ السلام یا آپ کی اولاد نے انگریز سے کونسا مربعہ یا جاگیر حاصل کی یا خطاب لیا۔

۷۔ اگر "خود کاشتہ پودہ" سے مراد تم جماعت احمدیہ لیتے ہو اور یہ الزام لگاتے ہوئے کہ حضرت مرزا صاحب سے دعویٰ مسیحیت و مہدویت سازش کرکے انگریز نے کروایا تھا تو اس بات کا جواب دو کہ (۱) انگریز نے دعوے تو کرا دیا مگر ۱۸۹۴ء میں حدیث (دار قطنی از امام محمد باقرؒ صلا) کی پیشگوئی کے عین مطابق چاند اور سورج کو رمضان کے مہینہ میں مقررہ تاریخوں پر گرہن بھی انگریز نے لگا دیا تھا؟

(ب) ستارہ ذوالسنین بھی انگریز نے نکالا تھا؟

(ج) حضرت مرزا صاحب سے طاعون کے آنے سے قبل بطور پیشگوئی اشتہار بھی انگریز نے شائع کروایا۔ اور پھر انگریز ہی طاعون بھی لے آیا۔

(د) سعد اللہ لدھیانوی اور اُس کا بیٹا بھی انگریز ہی کی کوشش سے ابتر رہے؟

(ہ) احمد بیگ ہوشیاری کو محرقہ تپ بھی انگریز نے چڑھایا اور پیشگوئی کی میعاد کے اندر مار بھی دیا۔

(و) حضرت کی پیشگوئیوں کے عین مطابق کانگڑہ کا اور مابعد بہار اور کوئٹہ کا زلزلہ بھی انگریز ہی کی سازش کا نتیجہ تھا؟

(ز) ع "زار بھی ہوگا تو ہوگا اُس گھڑی با حالِ زار"

کی پیشگوئی بھی انگریز ہی نے پوری کر دی؟

(ح) یَأْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ وَ يَأْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ

کا الہامی وعدہ بھی انگریز ہی نے پورا کیا؟

(ط) "اعجاز احمدی" اور "اعجاز المسیح" کی معجزانہ تحدّی کے مقابلہ میں مخالف علماء۔ انگریز ہی کے ایماء پر مقابلہ سے ساکت اور خاموش رہے؟

(ی) غلام دستگیر قصوری۔ رُسل بابا امرتسری۔ محمد اسمٰعیل علی گڑھی۔ چراغدین جمونی۔ فقیر مرزا آف دوالمیال شبھ چنتک آریہ اخبار کا عملہ۔ دیانند وغیرہ مرزا صاحب کی پیشگوئیوں کو پورا کرنے کے لئے انگریز ہی نے مارے۔

غرضیکہ حضرت اقدس علیہ السلام کی تائید میں زمین نے بھی نشان ظاہر کئے اور آسمان نے بھی۔ پس "خود کاشتہ پودہ" کی عبارت سے مراد حضرت کا دعویٰ یا جماعت لینا صریحاً بددیانتی ہے۔

(ک) پھر یہ عجیب بات ہے کہ انگریز نے حضرت مرزا صاحب سے تو کہا کہ تم عین چودہویں صدی کے سر پر دعویٰ مجدّدیت کر دو اور خود کو حدیث مجدّد کا مصداق قرار دے دو۔ اور اُدھر اللہ تعالیٰ سے بھی سازش کر لی کہ کسی سچے مجدّد کو چودہویں صدی میں نہ آنے دے حالانکہ حضرت مرزا صاحب نے اعلان فرمایا:۔

"ہائے! یہ قوم نہیں سوچتی کہ اگر یہ کاروبار خدا کی طرف سے نہیں تھا تو کیوں عین صدی کے سر پر اس کی بنیاد ڈالی گئی اور پھر کوئی بتلا نہ سکا کہ تم جھوٹے ہو اور سچا فلاں آدمی ہے۔"

(ضمیمہ اربعین نمبر ۳، ۴ صفحہ ۲ طبع اوّل)

"افسوس ان لوگوں کی حالتوں پر۔ ان لوگوں نے خُدا اور رسول کے فرمودہ کی کچھ بھی عزت نہ کی اور صدی پر بھی سترہ برس (اور اب ۷۰ برس۔ خادم) گذر گئے۔ مگر اُن کا مجدد اب تک کسی غار میں پوشیدہ بیٹھا ہے مجھ سے یہ لوگ کیوں بخل کرتے ہیں۔ اگر خدا نہ چاہتا۔ تو مَیں نہ آتا۔"

(اربعین ۳ صفحہ ۱۳ طبع اوّل)

۲۶۔ تنسیخِ جہاد کا الزام

مجلس احرار نے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے جماعتِ احمدیہ کے خلاف جو اشتعال انگیزی اور افتراء پردازی کی مہم شروع کر رکھی ہے۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی یہ اعتراض ہے کہ جماعتِ احمدیہ جہاد کی منکر ہے۔ اور یہ کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے جہاد کو قیامت تک منسوخ قرار دیکر اسلام کے ایک بہت بڑے رُکن کا انکار کیا ہے۔

بعض علماء کا نظریہ

یہ الزام کسقدر بے بنیاد اور دُور از حقیقت ہے اس کا صحیح اندازہ تو مندرجہ ذیل سطور کے مطالعہ سے ہو سکے گا، لیکن قبل اس کے کہ ہم اس مسئلہ کی حقیقت پر تفصیلی بحث کریں یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ حضرت مرزا صاحب سے ماقبل و مابعد دیگر علماء کی اصطلاح میں لفظ "جہاد" سے مُراد کیا تھی؟ کیونکہ اِس سے ہمیں اُس پس منظر کا علم ہو سکے گا جس میں حضرت بانئے سلسلہ احمدیہ نے جہاد کے بارے میں صحیح اسلامی نظریہ کو واضح فرمایا۔ نیز یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ اِس نقطۂ نگاہ

کی وضاحت کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی؟

سو یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ماقبل یا بعد علماء کا ایک طبقہ ایسا تھا جس کے نزدیک "جہاد" کا نظریہ ہرگز وہ نہیں تھا جو آجکل کے عام مسلمانوں کا ہے۔ کیونکہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اسلامی اصطلاح میں غیرمسلموں کے خلاف جارحانہ اقدام کا نام "جہاد" نہیں بلکہ "مدافعانہ جنگ" کو جہاد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ لیکن قارئین کے لیے یہ امر یقیناً باعث تعجب ہوگا کہ بعض اسلامی علماء کے نزدیک غیرمسلموں کو بزورِ شمشیر مسلمان بنانے کا نام "جہاد" تھا۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل تحریرات قابلِ ملاحظہ ہیں:۔

۱۔ تمام شرائع میں سے کامل ترین وہ شریعت ہے جس میں جہاد کا حکم پایا جائے۔ اس واسطے خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں کا اوامر و نواہی کے ساتھ مکلّف کرنا ایسا ہے جیسے ایک شخص کے غلام مریض ہو رہے ہیں اور اُس نے اپنے خاص لوگوں میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ ان کو کوئی دوا پلائے۔ پھر اگر وہ شخص انکو مجبور کرکے اُن کے مُنہ میں دوا ڈالے تو یہ بات نامناسب نہ ہوگی۔ مگر رحمت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اول اُن غلاموں سے اس دوا کے فوائد بیان کرے تاکہ خوشی کے ساتھ اُس دوا کو پی لیں۔ اور نیز اس دوا میں کوئی شیریں چیز مثلاً شہد شامل کر دے۔ تاکہ رغبتِ طبعی اور نیز رغبتِ عقلی اس کی مُعین ہو جائے۔ پھر اکثر لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ریاستوں کی محبت اور اُن کا شوق اور شہواتِ دُنیّہ اور اخلاقِ سبعی اور وساوسِ شیطانی اُن پر غالب ہوتے ہیں اور اُن کے آباؤ اجداد کے رسوم انکے قلوب میں مرتکز ہو جاتے ہیں۔ تو ان فوائد پر وہ کان نہیں دھرتے اور جس چیز کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم فرمایا ہے اس میں وہ فکر نہیں کرتے اور نہ اُس کی خوبی میں انکو غور ہوتا ہے۔ تو ان کے حق میں رحمت کا مقتضی یہ نہیں ہے کہ صرف اثباتِ حجت کا ان پر اقتصار نہ کیا جائے بلکہ رحمت اُنکے حق میں یہی ہے کہ اُن پر جبر کیا جائے۔ تاکہ خواہ مخواہ ایمان اُن پر ڈالا جائے جس طرح تلخ دوا کے پلانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔"

(حجۃ اللہ البالغہ مترجم اُردو مطبوعہ حمایت اسلام پریس لاہور جلد ۲ صفحہ ۲۰۷، ۲۰۸)

۲۔ مشہور مصنف ایم۔ اسلم لکھتے ہیں:۔

خلیفہ وقت کا سب سے بڑا کام اشاعتِ اسلام تھا یعنی خدا اور اُس کے رسول کا مقدس پیغام خدا کی مخلوق تک پہنچانا اور انہیں دعوتِ اسلام دینا جب کسی حکمران کو دعوتِ اسلام دی جاتی ہے تو دو شرطیں پیش کی جاتیں۔ ایک یہ کہ مسلمان ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ اگر مسلمان نہیں ہوتے تو جزیہ دو۔ اور دونوں شرطیں نہ مانی جاتیں تو پھر مجاہدین اسلام کو اُن سرکشوں کا کَس بل نکالنے کا حکم تھا۔ اور اس کا نام جہاد ہے۔"

(حزب مجاہد صفحہ ۳۵)

۳۔ واضح ہو کہ اہل اسلام کے ہاں کتب احادیث اور فقہ میں جہاد کی صورت یوں لکھی ہے کہ پہلے کفار کو موعظہ حسنہ سُنا کر اسلام کی طرف دعوت کی جائے۔ اگر مان گئے تو بہتر نہیں تو کفارِ عرب سے بباعث شدتِ کفر اور بُت پرستی اُنکے ایمان یا قتل کے سوا کچھ نہ مانا جائے۔" (وصایۃ الانسان مطبوعہ مطبع مصطفائی

لاہور ۱۸۷۳ء۔ ص ۲۳۲ مصنفہ ولی اللہ صاحب لاہوری)

۴۔ سابق علماء تو الگ رہے۔ اب تک مولوی ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اِس بیسویں صدی کے نصف آخر میں بھی یہی عقیدہ رکھتے اور اِسی کی اشاعت کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

"یہی تھی پالیسی جس پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے عمل کیا۔ عرب جہاں مسلم پارٹی پیدا ہوئی سب سے پہلے اسلامی حکومت کے زیر نگین کیا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف کے ممالک کو اپنے اُصول اور مسلک کی طرف دعوت دی مگر اس کا انتظار نہ کیا کہ یہ دعوت قبول کی جاتی ہے یا نہیں بلکہ قوت حاصل کرتے ہی رومی سلطنت سے تصادم شروع کر دیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پارٹی کے لیڈر ہوئے تو انہوں نے روم اور ایران دونوں کی غیر اسلامی حکومتوں پر حملہ کیا اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حملہ کو کامیابی کے آخری مراحل تک پہنچایا۔" (رسالہ جہاد فی سبیل اللہ مصنّفہ مولوی ابوالاعلیٰ مودودی ص ۲۸ ، ص ۲۹)

اِن اقتباسات کو پڑھ کر ہر دردِ دل رکھنے والے سعید الفطرت مسلمان کا سر ندامت کے ساتھ جُھک جاتا ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ جبر واکراہ کا یہ نظریہ اُس مقدس ترین وجود کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے جو تمام نسلِ انسانی کے لئے پیامِ امن وسلامتی لیکر آیا۔ جس نے اپنی مقدّس حیات کا ایک ایک لمحہ ظلم وتشدّد اور جبر و اکراہ کو دُنیا سے مٹانے کے لئے وقف کر دیا۔ جس رحمۃ للعٰلمین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نسلِ انسانی کو "لَاۤ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" کا امن بخش اور حیات آفرین پیغام سُنایا اور جو خود عمر بھر اپنے دشمنوں کے ظلم وستم اور جبر وتشدّد کا نشانہ بنا رہا۔ مگر خود کسی انسان بلکہ حیوان پر بھی ظلم نہیں کیا۔ عیسائی، ہندو اور دیگر دشمنانِ اسلام آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حیرت انگیز معجزانہ کامیابی وکامرانی کو داغدار کرنے کے لئے یہ الزام لگاتے چلے آئے ہیں کہ اسلام اپنی صداقت اور حقانیّت کے اثر سے نہیں بلکہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے، لیکن ایک غیر جانبدار اور صحیح الدّماغ محقق دشمنانِ اسلام اور مقدّس بانی کو بدنام کرنے کی نیّت سے ایسا کہتا ہے، لیکن جب مسلمانوں کے اپنے "علماء" خود ہی یہ اعلان کرنے لگیں کہ اسلام کی تعلیم کو بزورِ شمشیر منوانا اور غیر مسلموں کو بہ جبر واکراہ حلقہ بگوشِ اسلام کرنا عین تعلیم اسلام ہے اور خود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضورؐ کے خلفائے راشدین کا طرزِ عمل بھی یہی رہا ہے اور وہ غیر مسلموں کو اُن کی مرضی کے خلاف جبر واکراہ سے مسلمان بنایا کرتے تھے۔ تو پھر حقیقی اسلام کے علمبرداروں کے ہاتھ میں غیر مسلموں کے مقابلہ میں رہ ہی کیا جاتا ہے ؎

گر مسیحا دشمنِ جاں ہو تو کیونکر ہو علاج؟
کون رہبر ہو سکے جو خضر بھٹکانے لگے؟

یہ ظالمانہ اور جارحانہ "جہاد کا" منگھڑت اور خلافِ اسلام نظریہ (جو آج تک مولوی ابوالاعلیٰ مودودی اور اُن کے ہم خیال علماء کے ہاں رائج ہے) تبلیغ واشاعت اسلام کے رستہ میں ایک زبردست روک ثابت ہو رہا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ اس غلط نظریہ کی پُرزور تردید کی جائے۔ تا اسلام کا خوبصورت اور منوّر چہرہ داغدار نہ ہونے پائے۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس غلط نظریہ کی کماحقہٗ تردید فرمائی اور یہی وہ جارحانہ لڑائی AGGRESSION ہے جس کے بارے میں حضورؑ نے باربار تحریر فرمایا ہے کہ اسلام میں جائز نہیں اور نہ اس قسم کی لڑائی کرنے کی مسلمانوں کو اجازت ہے۔

"موقوف" اور "التوا" کے معنے

اِس مختصر تمہید کے بعد اب ہم احرار کے اصل اعتراض کو لیتے ہیں۔ معترضین کی طرف سے عام طور پر اس الزام کی تائید میں تحفہ گولڑویہ ص۲۲ وص۳۰ طبع اوّل۔ اربعین ۴ ص۱۳ طبع اوّل اور حقیقۃ المہدی کے حوالجات پیش کئے جاتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ان محولہ بالا مقامات پر کسی جگہ بھی "اسلامی جہاد" کے قیامت تک منسوخ ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ تحفہ گولڑویہ میں "التواء" اور مؤخرالذکر مقام پر "موقوف" کا لفظ ہے اور ظاہر ہے کہ لفظ "التوا" اور "موقوف" دونوں ہم معنے ہیں اور ان کا مفہوم عارضی طور پر کسی کام کو دوسرے وقت پر ڈال دینا ہوتا ہے۔ ہمیشہ کے لئے ختم ہونا یا منسوخ ہوجانا اِس سے مراد نہیں ہوتا۔

لفظ "وقف" یا "وقفہ" کے معنے ہی دو کلاموں کے درمیانی عارضی "سکون" اور "ٹھہرنے" کے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات کے درمیان بھی "وقف" آتا ہے مگر کیا وقف کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے آگے کوئی آیت نہیں؟ عربی میں "وَقَفَ بِفُلَانٍ" کے معنے ہیں "اُس نے فلاں کا انتظار کیا" اور "وَقَفَ عَلٰی حَضُوْرِ فُلَانٍ" کے معنے ہیں "اُس نے فلاں کے آنے تک کام ملتوی رکھا"۔

"اَوْقَفَ وَتَوَقَّفَ عَنْ کے معنی ہیں "ملتوی کرنا"

"وَقْفَہ" کے معنی ہیں "اسٹیشن" "ٹھراؤ" اور "موقوف" کے معنی ہیں "ٹھرا ہوا" (تسہیل العربیہ) نیز ملاحظہ ہو "الفرائد الدرّیہ" جس میں لکھا ہے وَقَفَ عَلَی الْکَلِمَۃِ (پڑھتے پڑھتے تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرنا)۔
وَقَفَ بِفُلَانٍ ۔کسی کا انتظار کرنا ۔
اَوْقَفَ وَتَوَقَّفَ عَنْ کے معنی ہیں کسی معاملہ کو دوسرے وقت تک اُٹھا رکھنا ۔

پس موقوف کے معنی "ملتوی کے ہیں نہ کہ ہمیشہ کے لئے منسوخ ہوجانے کے؟ ! اندریں صورت معترضین کا مسیح موعود علیہ السلام پر "منسوخی جہاد" کا الزام لگانا کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

قرآنِ مجید کا کوئی لفظ منسوخ نہیں ہوسکتا

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے تتبع میں تمام احمدی قرآن مجید کے ہر ہر لفظ اور ہر ہر حرف کو ناقابلِ تنسیخ یقین کرتے ہیں ہمارا ایمان ہے کہ قرآن مجید کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوسکتا۔ پس قرآن مجید اور حدیث صحیح میں جہاد کے بارے میں جو احکام ہیں۔ احمدی ان پر دل وجان سے ایمان لاتے ہیں اور ان پر عمل کرنے کے لئے دل وجان سے تیار ہیں۔ قرآن مجید نے جہاد بالسیف کے بارے میں جو حکم دیا ہے وہ ان الفاظ میں ہے کہ "اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا (سورۃ الحج ۴۰)

یعنی مومنوں کے ساتھ کفار دین کے باعث جنگ شروع کریں تو جوابی طور پر مومن تلوار کے مقابلہ میں تلوار اُٹھائیں۔

جماعتِ احمدیہ جہاد بالسیف کی قائل ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اسّی کُتب میں کسی ایک جگہ بھی یہ تحریر نہیں فرمایا کہ اگر کفار کی طرف سے تلوار اُٹھائی جائے تب بھی جوابی طور پر تلوار نہ اُٹھائی جاتے۔ یا یہ کہ قرآن مجید کی یہ یا دوسری آیات درباره جہاد منسوخ ہیں۔ حضور نے تو صاف الفاظ میں تحریر فرمایا ہے وَاُمِرْنَا اَنْ نُعِدَّ لِلْکَافِرِیْنَ کَمَا یُعِدُّوْنَ لَنَا وَلَا نَرْفَعُ الْحُسَامَ قَبْلَ اَنْ نُقْتَلَ بِالْحُسَامِ ۔

(حقیقۃ المہدی صفحہ ۲۸ طبع اوّل)

کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم کافروں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں جیسا کہ وہ ہمارے ساتھ کرتے ہیں اور جب تک وہ ہم پر تلوار نہ اُٹھائیں ہم بھی اُس وقت تک ان پر تلوار نہ اُٹھائیں۔

یاد رہے کہ یہ عبارت اسی حقیقۃ المہدی کی ہے جس کے صفحہ کا حوالہ معترضین دیتے ہیں۔ اس عبارت سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کفار کی تلوار کے مقابلہ میں تلوار اُٹھانے کے مسئلہ کے قائل ہیں اور قرآنی حکم دربارۂ جہاد کو ہرگز منسوخ نہیں سمجھتے۔ بلکہ لفظ "اُمِرْنَا" فرما کر اس امر کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ ہم اس امر کے لئے مامور ہیں کہ اگر کفار اسلام کے خلاف تلوار اُٹھائیں گے تو ہم بھی جوابی طور پر ان کے ساتھ تلوار سے جہاد کریں گے۔ پس معترضین کے پیش کردہ حوالہ میں جو لفظ "موقوف" استعمال ہوا ہے تو اس کے صرف یہی معنی ہیں کہ چونکہ اس وقت کفار کی طرف سے اسلام کے خلاف تلوار نہیں اُٹھائی جا رہی اس لئے قرآنی تعلیم کی رُو سے اِس وقت مسلمانوں کے لیے تلوار اُٹھانا "موقوف" ہے۔ اُس وقت تک کہ کفار تلوار اُٹھائیں۔ کیونکہ از روئے قرآن و حدیث "جہاد بالسیف" مشروط ہے۔ کفار کی طرف سے تلوار کے اُٹھائے جانے کے ساتھ۔ پس شرط کے عدم تحقق کے باعث مشروط (جہاد بالسیف) بھی کبھی تحقق نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس عبارت کے شروع میں یہ الفاظ ہیں۔ رُفِعَتْ ھٰذِہِ السُّنَّۃُ بِرَفْعِ اَسْبَابِھَا فِیْ ھٰذِہِ الْاَیَّامِ (حقیقۃ المہدی صفحہ ۲۸ طبع اوّل) یعنی تلوار کے جہاد کی شرائط کے پائے نہ جانے کے باعث موجودہ ایام میں تلوار کا جہاد نہیں ہو رہا۔ حضور تحفہ گولڑویہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "اِنَّ وُجُوْہَ الْجِھَادِ مَعْدُوْمَۃٌ فِیْ ھٰذِہِ الزَّمَنِ وَفِیْ ھٰذِہِ الْبِلَادِ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۰ طبع اوّل عربی حصّہ) یعنی جہاد اس لئے نہیں ہو سکتا کیونکہ اِس وقت اور اِس ملک میں جہاد کی شرائط پائی نہیں جاتیں۔" پھر تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲ ،صفحہ ۲۷ طبع اوّل میں جہاں ممانعت جہاد کا فتویٰ دیا ہے۔ وہاں تحریر فرمایا ہے:۔

؎ اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال ۔ دیں کیلئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
فرما چکا ہے سیّدِ کونین مصطفےٰ ۔ عیسیٰ مسیح کر دیگا جنگوں کا التوا

ان اشعار میں "اب" اور "التوا" کے الفاظ صاف طور پر اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ جہاد کا حکم قیامت تک کے لئے منسوخ نہیں بلکہ بوقت "موجودہ" عدم تحقق شرائط کے باعث "جہاد" عملاً ملتوی ہے اور وہ بھی حضرت صاحب کی اپنی ذاتی رائے یا فتویٰ سے نہیں۔ بلکہ خود حضرت شارع علیہ السلام کی حدیث صحیح مندرجہ بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ علیہ السلام کی سند کی بنا پر۔

پھر حضور تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس زمانہ میں جہاد روحانی صورت سے رنگ پکڑ گیا ہے اور اس زمانہ کا جہاد یہی ہے کہ اعلائے کلمۂ اسلام میں کوشش کریں مخالفوں کے الزامات کا جواب دیں۔ دینِ متین اسلام کی خوبیاں دُنیا میں پھیلائیں یہی جہاد ہے جب تک کہ خدا تعالیٰ کوئی دوسری صورت دُنیا میں ظاہر کرے۔"

(مکتوب بنام حضرت ناصر نواب صاحب مندرجہ رسالہ درود شریف ص۶۶ مؤلفہ حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ہلالپوری)

آخری الفاظ صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ تلوار کے جہاد کی ممانعت ابدی نہیں۔ بلکہ عارضی ہے اور جب دوسری صورت ظاہر ہوگی۔ یعنی کفار کی طرف سے اسلام کے خلاف تلوار اُٹھائی جائیگی اس وقت تلوار کے ساتھ جہاد کرنا واجب ہوگا۔ پس یہ ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسلامی تعلیم دربارۂ جہاد کو ہرگز منسوخ نہیں کیا بلکہ اس پر عمل کیا۔ کیونکہ قرآن مجید سے جہاد کی دو ہی صورتیں ثابت ہیں:۔

اوّل۔ قرآن مجید کی تعلیم اور اُس کی خوبیاں دُنیا میں پھیلانا جیسا کہ سورۃ فرقان میں ہے۔ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيرًا (الفرقان: ۵۳) یعنی قرآن مجید کو دُنیا کے سامنے پیش کر، یہی جہاد کبیر ہے مکتوب مندرجہ رسالہ "درود شریف ص۶۶" کی عبارت میں اسی پہلی صورت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ آجکل تو قرآن مجید میں بیان شدہ پہلی قسم کے جہاد کی شرائط موجود ہیں۔ اس لئے آج کل یہی جہاد ہے جس کا کرنا از روئے تعلیم اسلام واجب ہے اور جب دوسری قسم کی شرائط پیدا ہو جائیں گی۔ اس وقت دوسری قسم جہاد (یعنی تلوار کے ساتھ مدافعانہ جنگ) پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

ظاہر ہے کہ "جہاد" کے معنی اسلامی اصطلاح میں صرف تلوار کے ساتھ جنگ کرنے ہی کے نہیں۔ بلکہ اسلامی تعلیم پر عمل کرنے اور عمل کی تلقین کرنے کے بھی ہیں۔ احراری معترضین جماعت احمدیہ پر اعتراض کرتے وقت صرف "جہاد" کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور ان کی مراد اس سے صرف جہاد سیفی ہوتا ہے اس مغالطہ کی حقیقت قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت پر نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتی ہے۔ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ (التوبہ: ۷۳) کہ اے نبیؐ کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کر۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کے ساتھ "جہاد" کرنے کا حکم آجانے کے باوجود منافقوں کے خلاف کبھی تلوار نہیں اُٹھائی۔ بلکہ اُن کے ساتھ ہمیشہ حسنِ سلوک فرمایا۔ یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کو (جو رئیس المنافقین تھا) اپنے جُبّۂ مبارک میں دفن فرمایا۔ پس تسلیم کرنا پڑیگا کہ جہاد کے معنی صرف تلوار ہی کے ساتھ لڑائی کے نہیں ہوتے بلکہ تبلیغ و تذکیر کے ذریعہ کفار اور منافقین کی باطنی و روحانی اصلاح کی کوشش کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔

شرعی حکم کی تنسیخ اور فتویٰ میں فرق

احراری معترضین اپنے جوشِ خطابت میں ہمیشہ یہ کہا کرتے ہیں کہ "منسوخیٔ جہاد مستقل کفر ہے"۔

گویا اُن کے نزدیک اگر کوئی شخص حضرت مرزا صاحب کی طرح یہ فتویٰ دے کہ چونکہ آج کل دشمنان دین اسلام کے بالمقابل تلوار نہیں اُٹھاتے اس لئے تعلیم اسلامی کے رُو سے ان کے ساتھ تلوار کا جہاد جائز نہیں۔ تو ایسا فتویٰ دینے والا فرضیت جہاد کا مُنکر ہونے کے باعث خارج از اسلام سمجھا جائے گا۔

ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اس طریق کو جاری کرنے کے نتیجہ میں کوئی مفتی بھی فتویٰ کُفر سے بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ اگر اس طریقِ تکفیر کو درست تسلیم کر لیا جائے تو ایسے شخص کو بھی جو ایک غیر صاحب نصاب شخص کے بارے میں یہ فتویٰ دیتا ہے کہ اس پر زکوٰۃ فرض نہیں "فرضیت زکوٰۃ کا منکر" قرار دیکر خارج از اسلام تسلیم کرنا پڑے گا۔

دُور کیوں جائیں سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا شعر ہے:۔

فَمَا وَجَبَتْ عَلَیَّ زَکٰوۃُ مَالٍ

وَھَلْ یَجِبُ الزَّکٰوۃُ عَلَی الْجَوَادِ

مجھ پر زکوٰۃِ مال واجب نہیں کیونکہ بخشش کرنے والے سخی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

(کشف المحجوب مصنفہ حضرت داتا گنج بخشؒ مترجم اُردو صفحہ ۳۹۳)

پس کس قدر ظلم ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ جنہوں نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں تو جہاد بالسیف کا حکم موجود ہے لیکن میں اُن آیات اور احادیث کو منسوخ کرتا ہوں بلکہ صرف اس قدر فرمایا کہ قرآن مجید اور حدیث میں خدا اور رسول کا حکم یہ ہے کہ جب تک مخالفین اسلام کی طرف سے اسلام کے خلاف تلوار نہ اُٹھائی جائے اُن کے ساتھ جہاد بالسیف کرنا جائز نہیں اور چونکہ موجودہ وقت میں مخالفین اسلام کی طرف سے تلوار نہیں اُٹھائی جا رہی۔ اس لئے اس وقت جہاد بالسیف کرنیکی از روئے قرآن وحدیث اجازت نہیں، احراری معترضین ان کے خلاف "فرضیت جہاد" کے انکار کا جھوٹا الزام لگاتے ہیں۔

حضرت سید احمد بریلوی کا انگریز کے خلاف جہاد نہ کرنے کا فتویٰ

پھر اگر محض اس فتویٰ کی بنا پر کہ انگریز کے خلاف جہاد بالسیف از روئے تعلیم اسلامی جائز نہیں۔ اگر حضرت مرزا صاحب اور جماعتِ احمدیہ کی تکفیر کو درست تسلیم کیا جائے تو تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سید احمد بریلوی اور ان کے خلیفہ حضرت اسمٰعیل شہید پر بھی یہی فتویٰ عاید ہو گا۔ کیونکہ ان ہر دو بزرگوں نے بھی (جن کو احراری بھی اپنا بزرگ تسلیم کرتے ہیں) انگریزی حکومت کے خلاف عدم جہاد کا بعینہٖ وُہی فتویٰ دیا ہے جو ان کے بعد حضرت مرزا صاحبؑ نے دیا۔

مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری کی شخصیت

یاد رہے کہ حضرت سید احمد بریلوی اور اسمٰعیل شہیدؒ کے فتاویٰ اُس کتاب سے نقل کئے گئے ہیں جو مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسری کی تصنیف ہے اور مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری وہ بزرگ ہیں جو حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک میں شامل تھے اور بقول مولانا غلام رسول صاحب مہرؔ :-

"مولوی محمد جعفر صاحب کا گھر کئی برس تک سید صاحب کے مجاہدین کے لئے چندہ بھیجنے کا ایک مرکز بنا رہا۔ اسی بنا پر وہ گرفتار ہوئے انگریزوں نے ان پر مقدمہ چلایا اور پھانسی کی سزا دی۔ جائیداد ضبط کر لی یہ سزا اس لئے حبسِ دوام میں تبدیل ہوئی کہ مولوی صاحب کے لئے پھانسی پر جان دے دینا آسان تھا اور انگریز چاہتے تھے کہ انہیں قید کی مصیبتوں میں مبتلا رکھ کر زیادہ سے زیادہ ایذا پہنچائیں"۔

"مولوی محمد جعفر صاحب نے سرکار انگریزی کی مخالفت ہی کے باعث اٹھارہ سال جزائر انڈیمان میں بسر کئے ان کی جائیداد ضبط ہوئی اور جو تکلیفیں اُٹھائیں ان کے بیان کا یہ موقع نہیں وہ ان کارناموں کی وجہ سے عظیم تھے"۔ (احراری اخبار آزاد لاہور ۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۲ء جلد ۲ کالم ۳)

پس مولوی محمد جعفر صاحب وہ انسان تھے جن کو انگریز کی خوشامد کی کوئی ضرورت نہ تھی علاوہ ازیں "سوانح احمدی" اس زمانہ میں لکھی گئی جبکہ سید احمد صاحب بریلویؒ کو دیکھنے والے اور اُن سے ملنے والے لوگ زندہ موجود تھے۔ اگر یہ روایات درست نہ ہوتیں تو اُسی وقت اُن کی تردید میں ضرور وہ لوگ آواز بلند کرتے اُس وقت اصل دستاویزات محولہ ابھی موجود تھیں۔ اس لئے ان پر جرح و تنقید کا وقت وہی تھا۔ پھر یہ کتاب اُس وقت لکھی گئی جبکہ جماعت احمدیہ کا کوئی وجود ہی نہ تھا اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا فتویٰ دربارۂ ممانعت جہاد (۱۹۰۲ء) ہی موجود تھا۔ پس یہ تحریرات امر متنازعہ فیہ سے بہت عرصہ پہلے کی ہیں۔

مولانا غلام رسول صاحب مہرؔ یا کسی اور بزرگ کا جس کو حضرت سید احمد بریلوی اور سید اسمٰعیل صاحب شہید کے مندرجہ بالا فتاویٰ سے اختلاف ہو۔ اکتوبر ۱۹۵۲ء میں یعنی حضرت سید احمد صاحب بریلوی کی شہادت کے ایک سو اکیس[۱۲۱] اور کتاب کی تحریر کے ساٹھ ستر سال بعد ان روایات کی صحت پر اعتراض کرنا کسی طرح بھی ان کی صحت و اصالت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہر اہلِ علم اور انصاف پسند انسان کے نزدیک ان روایات کو غلط ثابت کرنے کا بارِ ثبوت بہرحال اس شخص پر ہوگا۔ جو ان قدیم اور سید صاحب شہیدؒ کے قریب ترین زمانہ میں تحریر شدہ شہادتوں کے غلط ہونے کا ادعا کرتا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو پھر کسی بھی پُرانے واقعہ کا اثبات ممکن نہ رہے گا۔ مثلاً اگر کوئی معترض قرآن مجید۔ احادیث اور تاریخ اسلامی میں درج شدہ واقعات کا یہ کہکر انکار کر دے کہ جب تک اصل گواہ اور ان کی شہادتیں میرے سامنے پیش نہ کی جائیں میں ان کی صحت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں اور یہ بھی کہے کہ ان روایات کو درست ثابت کرنے کا بارِ ثبوت اُس شخص پر ہے جو اُن روایات کو درست قرار دیتا ہے تو ہر اہلِ علم و عقل کے نزدیک ایسے معترض کا اعتراض درخورِ اعتنا نہ ہوگا۔ کیونکہ ان روایات کی صحت و اصالت پر اعتراض کرنے کا وقت وہ تھا

جب وہ احاطۂ تحریر میں لائی گئیں۔ لیکن اگر اُس وقت کسی شخص نے ان پر اعتراض نہیں کیا اور نہ اُن کے خلاف کوئی آواز اُٹھائی پھر ایک لمبا زمانہ گذر جانے کے بعد جبکہ اصل شواہد اور دستاویزات مُرورِ زمانہ کے باعث ناپید ہو چکی ہوں) اعتراض بے حقیقت ہو کر رہ جاتا ہے جب تک کہ ایسا معترض اپنی تائید میں ناقابلِ تردید ثبوت اور دلائل پیش نہ کرے۔ پس آج جبکہ حضرت سید احمد شہید اور حضرت اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہما کے یہ فتاویٰ جماعت احمدیہ کی تائید میں پیش کئے گئے ہیں کسی اختلافِ رائے رکھنے والے بزرگ کا اعتراض ہرگز قابلِ اعتناء قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری کی نسبت حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اور سیرت نگار مولانا ابوالحسن صاحب ندوی لکھتے ہیں:۔

"سید صاحب کے بہت بڑے تذکرہ نگار اور واقفِ حال تھے۔ آپ سید صاحب کے خلفاء سے بیعت اور سید صاحب کے نہایت سچے اور پُرجوش معتقد تھے اور آپ کی کتاب (سوانح احمدی۔ خادم) سب سے زیادہ مکمل اور مقبول و مشہور ہے۔" (سیرت سید احمد شہید حصہ اول صفحہ ۲۳۱)

اسی طرح نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی لکھتے ہیں:۔

"سید احمد شاہ صاحب ساکن نصیر آباد بریلی میں ایک شخص تھے وہ کلکتہ گئے تھے اور ہزاروں مسلمان فوج انگریزی کے اُن کے مُرید ہو گئے۔ مگر انہوں نے کبھی یہ ارادہ ساتھ سرکار انگریزی کے ظاہر نہیں کیا اور نہ سرکار نے اُن سے کچھ تعرض کیا۔" (ترجمان وہابیہ صفحہ ۲۵)

اس شہادت سے یہ ثابت ہوا کہ جو کچھ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری نے لکھا وہ بالکل صحیح اور درست تھا۔

یاد رہے کہ حضرت سید احمد بریلویؒ اور سید اسمٰعیل شہید وہ بزرگ ہیں جو ہندوستان خیلِ مجاہدین کے سردار اور اوّل المجاہدین تھے۔ جنہوں نے یو۔پی سے اُٹھ کر پنجاب کی سکھ حکومت کے خلاف سرحد پار کر کے افغانستان کی طرف سے حملہ آور ہو کر سالہا سال تلوار کے ساتھ جہاد کیا اور عین میدانِ جہاد میں شہید ہوئے انہوں نے سکھ حکومت کے خلاف یہ جہاد محض اس وجہ سے کیا کہ سکھ دین میں جبر کر رہے تھے۔ اس لئے اسلامی تعلیم کے رُو سے سکھوں کے خلاف عَلَمِ جہاد بلند کرنا ضروری تھا۔ لیکن ان ہر دو بزرگوں نے عمر بھر کبھی انگریزی حکومت کے ساتھ جہاد نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس صاف صاف لفظوں میں یہ فتویٰ دیا کہ:۔

"با کسے از اُمراء مسلمین منازعت داریم۔ نہ از رؤسائے مومنین مخالفت۔ بالکفارِ لئیام مقابلہ داریم۔ نہ با مدعیانِ اسلام صرف با دراز مُوئیان جویان مقابلہ ایم۔ نہ با کلمہ گویان ونہ اسلام جویان۔ ونہ بہ سرکارِ انگریزی کہ اُو مسلمان رعایائے خود را برائے ادائے فرضِ مذہبی شان آزادی بخشیدہ است۔"

(مکتوب حضرت سید احمد بریلویؒ۔ سوانح احمدی" صفحہ ۱۱۵ مصنفہ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری)

یعنی ہم کسی مسلمان امیر سے جنگ یا پیکار کرنا نہیں چاہتے صرف کفار لئیم سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم مدعیان اسلام سے بھی جنگ نہیں کرنا چاہتے صرف لمبے بالوں والوں (سکھوں) سے مقابلہ کرنے کے خواہشمند ہیں۔ کلمہ گویوں یا مسلمان کہلانے والوں یا سرکار انگریزی سے کہ جس نے اپنی مسلمان رعایا کو مذہبی فرائض کی

ادائیگی کے لئے کامل آزادی دے رکھی ہے۔ ہم جنگ نہیں کرنا چاہتے ۔
یہ تیرہویں صدی کے مجدّد کا فتویٰ ہے۔ جس کو تمام اہلِ حدیث اور اہلِ سنّت واہلِ دیوبند اور احراری اپنا بزرگ خیال کرتے ہیں یہ ان کا اپنا تحریر فرمودہ فتویٰ ہے اس کے الفاظ "زیرا سرکار انگریزی کہ مسلمان رعایائے خود را برائے ادائے فرض مذہبی شانِ آزادی بخشیدہ است" دوبارہ ملاحظہ فرمائیں۔
کیا بعینہٖ یہ وہی فتویٰ نہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیا ہے اور جس کی بناء پر آپ کو جہاد کا منکر قرار دیا جا رہا ہے ؟ پس انگریزی حکومت کے خلاف عدمِ جہاد بالسیف کے فتویٰ میں حضرت مرزا صاحب منفرد نہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ حضرت سید احمد بریلوی شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔ پس اگر گورنمنٹ انگریزی کے ساتھ تلوار کے ساتھ جہاد کرنے کی ممانعت کا فتویٰ آپ کے نزدیک "بذاتِ خود کفر ہے" تو
شعر
این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند
(ب) حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ بالا مکتوب کے علاوہ آپ کا تفصیلی فتویٰ دربارۂ ممانعت جہاد ملاحظہ فرمائیں۔ لکھا ہے :۔
"جب آپ رحمۃ اللہ علیہ سکھوں سے جہاد کرنے تشریف لے جاتے تھے ۔ کسی شخص نے آپؒ سے پوچھا کہ آپؒ اتنی دُور سکھوں پر جہاد کرنے کو کیوں جاتے ہو۔ انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں اور دینِ اسلام سے کیا منکر نہیں ہیں۔ گھر کے گھر میں اُن سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لو۔ یہاں لاکھوں آدمی آپ کا شریک اور مددگار ہو جائیگا کیونکہ سینکڑوں کوس سفر کر کے سکھوں کے ملک سے پار ہو کر افغانستان جانا اور وہاں برسوں رہ کر سکھوں سے جہاد کرنا یہ ایک ایسا امر محال ہے جس کو ہم لوگ نہیں کر سکتے سید صاحب نے جواب دیا کہ :
کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت کرنا نہیں چاہتے ۔ انگریزوں کا یا سکھوں کا ملک لینا ہمارا مقصد نہیں ہے بلکہ سکھوں سے جہاد کرنے کی فقط یہ وجہ ہے کہ وہ ہمارے برادرانِ اسلام پر ظلم کرتے ہیں ۔ اور اذان وغیرہ فرائض مذہبی کو ادا کرنے سے مزاحم ہوتے ہیں اور سرکار انگریزی گو منکرِ اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی ۔ اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادت لازمی سے روکتی ہے ہم ان کے ملک میں علانیہ وعظ کہتے ہیں اور ترویج مذہب کرتے ہیں ۔ وہ کبھی مانع اور مزاحم نہیں ہوتی بلکہ اگر کوئی ہم پر زیادتی کرتا ہے تو اس کو سزا دینے کے لئے تیار ہے ہمارا اصل کام اشاعت توحیدِ الٰہی اور احیاءِ سُننِ سیدالمرسلین ہے سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں۔ پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصولِ مذہب طرفین کا خون بلا سبب گراویں۔
یہ جواب باصواب سُن کر سائل خاموش ہو گیا اور اصل غرض جہاد کی سمجھ لی"
(سوانح احمدی ص۷۱)
(ج) "سید صاحب ہر گھڑی اور ہر ساعت جہاد اور قتال کا ارادہ کرتے رہتے تھے اور سرکار انگریزی گو کافر تھی مگر اس کی مسلمان رعایا کی آزادی اور سرکار انگریزی کی بے رُو و ریائی اور بوجہ موجودگی حالات کے

ہماری شریعت کے شرائط سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کو مانع تھیں اس واسطے ان کو منظور ہوا کہ اقوام سکھ پنجاب پر جو نہایت ظالم اور احکامات شریعت کی حارج اور مانع تھیں جہاد کیا جاتے۔"
(سوانح احمدی صفحہ ۴۵)

(د) یہ تو تھا فتویٰ حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اب آپ کے خلیفہ حضرت سید اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ لکھا ہے:۔
"اثناء قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید وعظ فرمارہے تھے ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا کہ نہیں؟
اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رو و ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے اس وقت پنجاب کے سکھوں کا ظلم اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ (لازم ہے کہ) اُن پر جہاد کیا جائے۔"
(سوانح احمدی صفحہ ۵۷)

(ھ) "سید صاحب (سید احمد بریلوی) کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے۔" سوانح احمدی صفحہ ۱۳۹)
مندرجہ بالا فتاویٰ کو پڑھنے کے بعد ہر صاحب انصاف سمجھ سکتا ہے کہ انگریزی حکومت کے خلاف جہاد بالسیف نہ کرنے کا حکم ایسا ہے جس پر تیرھویں اور چودھویں صدی کے مجددین کا اتفاق ہے پھر اس کے خلاف اگر کوئی دوسرا شخص معترض ہو تو اس کے اعتراض کو کیا وقعت دی جاسکتی ہے؟
پھر یاد رہے کہ حضرت سید احمد بریلوی اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید وہ بزرگ ہیں۔ جنہوں نے اپنی زندگیاں جہاد بالسیف کیلئے وقف کردی ہوئی تھیں وہ سکھوں کے خلاف علم جہاد بلند کرتے ہوئے "مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ (الاحزاب:۲۴) کے مصداق ہو کر میدان جہاد میں شہید ہوگئے۔ اس لیے ان بزرگان نے حکومت انگریزی کے خلاف تلوار نہ اُٹھانے کا جو فتویٰ صادر کیا اس کی صحت اور درستی میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔

حضرت مرزا صاحبؑ کا فتویٰ

حضرت مرزا صاحبؑ نے ممانعت جہاد کا جو فتویٰ دیا ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جو حضرت سید احمد بریلویؒ اور ان کے خلیفہ سید اسمٰعیل شہیدؒ نے دیا تھا اور آپ کے بھی بعینہٖ وہی دلائل ہیں جو اُن بزرگان کے ہیں۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔
ا۔ "نادان مولوی نہیں جانتے کہ جہاد کے واسطے شرائط ہیں۔ سکھا شاہی لُوٹ مار کا نام جہاد نہیں اور رعیت کو اپنی محافظ گورنمنٹ کے ساتھ کسی طور سے جہاد درست نہیں۔" (تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۴)
ب۔ پھر فرماتے ہیں:۔
"بعض نادان مجھ پر اعتراض کرتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب المنار نے بھی کیا ہے کہ یہ شخص انگریزوں کے ملک میں

رہتا ہے۔ اسی لئے جہاد کی ممانعت کرتا ہے۔ یہ نادان نہیں جانتے کہ اگر میں جھوٹ سے اس گورنمنٹ کو خوش کرنا چاہتا تو میں بار بار کیوں کہتا کہ عیسیٰ بن مریم صلیب سے نجات پاکر اپنی طبعی موت سے بمقام سرینگر مر گیا۔ اور نہ وہ خدا تھا۔ نہ خدا کا بیٹا۔ کیا انگریز مذہبی جوش رکھنے والے میرے اس فقرہ سے مجھ سے بیزار نہیں ہونگے۔ پس سنو اے نادانو! میں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ایسی گورنمنٹ سے جو دینِ اسلام اور دینی رسوم پر کچھ دست اندازی نہیں کرتی۔ اور نہ اپنے دین کو ترقی دینے کے لیے ہم پر تلوار چلاتی ہے۔ قرآن شریف کی رُو سے مذہبی جنگ کرنا حرام ہے۔ کیونکہ وہ کوئی مذہبی جہاد نہیں کرتی۔"

(کشتی نوح حاشیہ ص ۶۸ طبع اول)

ج۔ پھر فرماتے ہیں:۔

" جاننا چاہیئے کہ قرآن شریف یوں ہی لڑائی کے لیے حکم نہیں فرماتا۔ بلکہ صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کا حکم فرماتا ہے جو خدا تعالےٰ کے بندوں کو اس پر ایمان لانے سے روکیں اور اس بات سے روکیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے حکموں پر کاربند ہوں اور اُس کی عبادت کریں ...... اور ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کیلئے حکم فرماتا ہے جو مسلمانوں سے بے وجہ لڑتے ہیں اور مومنوں کو ان کے گھروں اور وطنوں سے نکالتے ہیں اور خلق اللہ کو جبراً اپنے دین میں داخل کرتے ہیں اور دین اسلام کو نابود کرنا چاہتے ہیں ...... یہ وہ لوگ ہیں جن پر خُدا تعالیٰ کا غضب ہے اور مومنوں پر واجب ہے جو ان سے لڑیں اگر وہ باز نہ آویں۔"

(نور الحق حصہ اول ص ۴۵ طبع اول)

د۔ "شریعت اسلام کا یہ واضح مسئلہ ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرنا جس کے زیر سایہ مسلمان لوگ امن اور عافیت اور آزادی سے زندگی بسر کرتے ہیں.... قطعی حرام ہے۔"

(تبلیغ رسالت جلد ا ص ۶۹)

ھ۔ "اس زمانے کے نیم مُلّا فی الفور کہہ دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبراً مسلمان کرنے کے لیے تلوار اُٹھائی تھی اور ان ہی شبہات میں ناسمجھ پادری گرفتار ہیں۔ مگر اس سے زیادہ کوئی جھوٹی بات نہیں ہوگی کہ یہ جبر اور تعدی کا الزام اُس دین پر لگایا جائے جس کی پہلی ہدایت یہی ہے کہ

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ

یعنی دین میں جبر نہیں چاہیئے بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بزرگ صحابہ کی لڑائیاں یا تو اس لیے تھیں کہ کفار کے حملہ سے اپنے تئیں بچایا جائے اور یا اس لئے تھیں کہ امن قائم کیا جائے اور جو لوگ تلوار سے دین کو روکنا چاہتے ہیں۔ ان کو تلوار سے پیچھے ہٹایا جائے مگر اب کون مخالفوں میں سے دین کے لیے تلوار اُٹھاتا ہے اور مسلمان ہونے والے کو کون روکتا ہے اور مساجد میں نماز پڑھنے اور بانگ دینے سے کون منع کرتا ہے۔ پس اگر ایسے امن کے وقت میں ایسا مسیح ظاہر ہو کہ وہ امن کی قدر نہیں کرتا۔ بلکہ خواہ مخواہ مذہب کے لیے تلوار سے لوگوں کو قتل کرنا چاہتا ہے تو میں خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر

کہتا ہوں کہ بلاشبہ ایسا شخص جھوٹا۔ کذاب مفتری اور ہرگز سچا مسیح نہیں مجھے تم خواہ قبول کرو یا نہ کرو مگر میں تم پر رحم کرکے تمہیں سیدھی راہ بتلاتا ہوں کہ ایسے اعتقاد میں سخت غلطی پر ہو لاٹھی اور تلوار سے ہرگز ہرگز دین دلوں میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اور آپ لوگوں کے پاس ان بیہودہ خیالات پر دلیل بھی کوئی نہیں۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ ابن مریم میں مسیح موعود کی شان میں صاف حدیث موجود ہے کہ" یَضَعُ الْحَرْبَ" یعنی مسیح موعود لڑائی نہیں کریگا۔ تو پھر کیسے تعجب کی بات ہے۔ کہ ایک طرف تو آپ لوگ اپنے مُنہ سے کہتے ہیں کہ صحیح بخاری قرآن شریف کے بعد اصح الکتب ہے اور دوسری طرف صحیح بخاری کے مقابل پر ایسی حدیثوں پر عقیدہ کر بیٹھتے ہیں کہ جو صریح بخاری کی حدیث کے منافی پڑی ہیں۔ چاہیئے تھا کہ اگر کروڑ ایسی کتاب ہوتی تب بھی اس کی پرواہ نہ کرتے کیونکہ ان کا مضمون نہ صرف صحیح بخاری کی حدیث کے منافی بلکہ قرآن شریف سے بھی صریح مخالف ہے۔"

(تریاق القلوب ایڈیشن اوّل ص۱۷۱ چھوٹی تقطیع)

د۔ تمام سچے مسلمان جو دُنیا میں گذرے کبھی اُن کا یہ عقیدہ نہیں ہوا کہ اسلام کو تلوار سے پھیلا نا چاہیئے بلکہ ہمیشہ اسلام اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے دُنیا میں پھیلا ہے۔ پس جو لوگ مسلمان کہلا کر صرف یہی بات جانتے ہیں کہ اسلام کو تلوار سے پھیلانا چاہیئے وہ اسلام کی ذاتی خوبیوں کے معترف نہیں ہیں اور اُن کی کارروائی درندوں کی کارروائی سے مشابہ ہے۔"

(تریاق القلوب حاشیہ ص۳۵ ایڈیشن دوم و ص۱۲ حاشیہ طبع اوّل)

کیا ان عبارتوں سے صاف طور پر ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مرزا صاحب اپنے وقت میں حرمت جہاد کا فتویٰ قرآن مجید اور حدیث نبویؐ کی بناء پر دے رہے ہیں نہ کہ اسلامی حکم کو منسوخ قرار دے کر؟

علاوہ ازیں تریاق القلوب کے مؤخر الذکر حوالجات سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے جس نظریۂ جہاد کی مخالفت فرمائی ہے وہ غیر مسلموں کو جبراً مسلمان بنانے کا وہ غلط تصور ہے جو مولوی ابوالاعلیٰ مودودی جیسے علماء کہلانے والے ابتداء سے لوگوں کے سامنے پیش کرتے چلے آتے ہیں اور جن کا ذکر مضمون ہذا کی ابتدائی سطور میں کسی قدر تفصیل سے کیا جاچکا ہے۔

ذ۔ پھر حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہم نے سارا قرآن شریف تدبّر سے دیکھا مگر نیکی کی جگہ بدی کرنے کی تعلیم کہیں نہیں پائی ہاں یہ سچ ہے کہ اس گورنمنٹ کی قوم مذہب کے بارے میں نہایت غلطی پر ہے وہ اس روشنی کے زمانے میں ایک انسان کو خدا بنا رہے ہیں اور عاجز مسکین کو رب العالمین کا لقب دے رہے ہیں مگر اس صورت میں تو وہ اور بھی رحم کے لائق اور راہ دکھانے کے محتاج ہیں کیونکہ وہ بالکل صراط مستقیم کو بھول گئے اور دُور جا پڑے ہیں ہمکو چاہئے کہ ان کے لیے جناب الٰہی میں دُعا کریں کہ اے خداوند قادر ذوالجلال انکو ہدایت بخش اور انکے دلوں کو توحید کے لیے کھولدے اور سچائی کی طرف پھیردے تا وہ تیرے سچے اور کامل نبی اور تیری کتاب کو شناخت کرلیں اور دینِ اسلام اُن کا مذہب ہوجائے۔ ہاں پادریوں کے فتنے حد سے بڑھ گئے

ہیں اور اُن کی مذہبی گورنمنٹ ایک بہت شور ڈال رہی ہے مگر ان کے فتنے تلوار کے نہیں ہیں قلم کے فتنے ہیں سوائے مسلمانو! تم بھی قلم سے انکا مقابلہ کرو۔ خدا تعالیٰ کا منشاء قرآن شریف میں صاف پایا جاتا ہے کہ قلم کے مقابل پر قلم ہے اور تلوار کے مقابل پر تلوار۔ مگر کہیں نہیں سُنا گیا کہ کسی عیسائی پادری نے دین کے لئے تلوار بھی اُٹھائی۔ پھر تلوار کی تدبیریں کرنا۔ قرآن کریم کو چھوڑنا ہے۔" (تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۹۳)

کیا مرزا صاحب نے قیامت تک جہاد کو منسوخ کیا

پس اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے یہ فتوی دیا ہے کہ مَیں قرآن مجید کی آیات دربارۂ جہاد بالسیف کو منسوخ کرتا ہوں اور یہ حکم دیتا ہوں کہ اب خواہ دین میں جبر ہو اور مخالفین اسلام دین کے خلاف تلوار اُٹھائیں پھر بھی ان کے ساتھ جہاد بالسیف حرام ہے تو ہم اس کو چیلنج کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب یا آپ کے کسی خلیفہ کی کسی تحریر سے اس مضمون کا کوئی ایک حوالہ ہی پیش کرے۔ حضرت مرزا صاحب نے ہرگز قرآن مجید کے کسی حکم کو منسوخ نہیں کیا۔ نہ آپ ایسا کر سکتے تھے۔ آپ کا دعویٰ تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر یہ وحی ہوئی ہے۔ "یُحْیِ الدِّیْنَ وَیُقِیْمُ الشَّرِیْعَۃَ (تذکرہ ایڈیشن ۴ صفحہ ۵) کہ مسیح موعود کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ احیاء دین اور اقامت شریعت ... کرے۔

پس آپ نے ہرگز کسی اسلامی حکم کو منسوخ نہیں کیا۔ آپ تو ناسخ والمنسوخ فی القرآن کے بھی قائل نہ تھے۔ حالانکہ تمام غیر احمدی علماء اب تک ناسخ و منسوخ فی القرآن کا مسئلہ مانتے ہیں۔

احمدی جماعت ہرگز جہاد کو منسوخ نہیں سمجھتی۔ نہ سیفی جہاد کی منکر ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اگر دین میں جبر ہو اور اسلام کے خلاف تلوار اُٹھائی جائے تو جہاد بالسیف فرض ہو جاتا ہے اور جس وقت تحقق شرائط کے باعث جہاد فرض ہو جائے۔ پھر اُس میں کوتاہی کرنے والا قابل مؤاخذ ہوتا ہے۔ اس بارے میں حضرت مرزا صاحب کی تحریرات کے حوالے قبل ازیں نقل کئے جا چکے ہیں۔ پس اصل سوال یہ نہیں کہ مرزا صاحب نے کیا فی الواقعہ جہاد کو منسوخ کیا بلکہ سوال یہ ہے کہ کیا فی الحقیقت حضرت مرزا صاحب کے زمانہ میں انگریزی حکومت کے خلاف جہاد بالسیف کرنا از روئے تعلیم اسلام فرض تھا یا نہیں۔ کیا مرزا صاحب کے زمانہ میں جہاد بالسیف کی شرائط موجود تھیں یا نہیں؟ اگر شرائط موجود نہیں تھیں تو جہاد بالسیف یقیناً فرض نہیں تھا۔ پھر حضرت مرزا صاحب پر کوئی اعتراض نہیں رہتا۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب کا فتوٰی درست تھا۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ اُس زمانہ میں شرائطِ جہاد متحقق تھیں اور جہاد بالسیف فرض تھا۔ تو اس کے جواب میں حضرت سید احمد بریلوی اور حضرت سید اسمٰعیل شہیدؒ کے فتاوی اوپر نقل کئے جا چکے ہیں۔ ان کی تائید میں اہلحدیث کے ایک بہت بڑے رہنما نواب نورالحسن خانصاحب آف بھوپال کا فتویٰ جو انھوں نے انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کے بارے میں اپنی مشہور و معروف کتاب "اقتراب الساعۃ" ۱۸۹۳ء میں تحریر کیا۔ درج کیا جاتا ہے:۔

" اس تیرہ سو برس میں کوئی ایسا فتنہ نہیں ہوا جس کی خبر حدیث میں اوّل سے درج نہ ہو۔ جو لوگ اس علم

سے ناواقف ہیں۔ وہی فتویٰ جہاد کا ہر فتنہ کے حق میں دیتے ہیں۔ ورنہ دُنیا میں مدّت سے صورت جہاد کی پائی نہیں جاتی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ حکم جہاد کا اسلام میں نہیں ہے یا تھا مگر اب منسوخ ہوگیا ہے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس زمانے کی لڑائی جھگڑائی خواہ مسلمان و کافر میں ہو۔ یا ! ہم مسلمانوں کے مشکل ہے جہاد شرعی ٹھہر سکے۔"
(اقتراب الساعۃ ص۸۰)

لیکن اگر احراری معترضین کے لئے یہ فتاوے تسلی بخش نہ ہوں تو پھر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے جس کا حل کرنا ضروری ہوگا۔

فیصلہ کا آسان طریق

حدیث شریف میں ہے کہ "لَا يُجْمِعُ أُمَّتِيْ عَلٰى ضَلَالَةٍ" یعنی میری اُمّت کبھی گمراہی پر اجماع نہیں کر سکتی۔ (ترمذی باب فی لزوم الجماعۃ مطبع الاسلام دہلی ص۳۶)

پھر صحیحین کی حدیث "لَا يَزَالُ ..... أُمَّتِيْ قَائِمَةً بِأَمْرِ اللّٰهِ (مشکوٰۃ باب ثواب ہٰذہ الامۃ مطبع اصح المطابع ص۵۸۳) یہ حدیث لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ مَنْصُوْرِيْنَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى يَقُوْمَ السَّاعَةُ (ترمذی کتاب الفتن: باب و حدیث بحوالہ مشکوٰۃ ص۵۸۳) کہ قیامت تک میری اُمّت میں ہر وقت اور ہر زمانہ میں ایک گروہ حق پر قائم رہنے والوں کا موجود رہیگا۔ جو اسلامی تعلیم پر صحیح طور پر عمل کرنے والا ہوگا۔

نیز حدیث بخاری لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ (بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسُّنّۃ باب ۱۰ جلد ۴ ص۱۰۹ مصری)

قرآن مجید کی آیت "كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ" (التوبہ: ۱۱۹) سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ صادقین کا گروہ ہر وقت دُنیا میں موجود رہتا ہے جن کی معیّت کا ہر طالب حق کو حکم دیا گیا۔

ابوداؤد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ عَلَى الْحَقِّ

(ابوداؤد جلد ۲ کتاب الفتن ص۲۲۱ مطبع نولکشور)

پھر ایک اور حدیث میں ہے: تَفْتَرِقُ أُمَّتِيْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ

(مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسُّنّۃ مطبع اصح المطابع ص۳۰)

کہ میری اُمّت کے تہتّر فرقے ہونگے۔ وہ سب ناری ہونگے۔ سوائے ایک فرقہ کے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ! جنّتی فرقہ کون ہے؟ تو حضورؐ نے فرمایا۔ وہ فرقہ وہ ہوگا جو میرے اور میرے اصحاب کے نقش قدم پر چلنے والا ہوگا۔

قرآن مجید اور احادیث کے مندرجہ بالا حوالجات سے قطعی طور پر یہ ثابت ہے کہ قیامت تک ہر وقت اور ہر زمانہ میں سچے اور خالص مسلمانوں کی کوئی نہ کوئی جماعت ضرور مسلمانوں میں موجود رہے گی۔

اس وقت یہ بحث نہیں کہ زمانہ زیرِ بحث میں وہ جماعت کونسی تھی ؟ بہرحال یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت مرزا صاحب کے زمانہ میں کوئی نہ کوئی جماعت موجود ضرور تھی ۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر حضرت مرزا صاحب کے زمانہ میں حکومت انگریزی کے خلاف جہاد بالسیف فرض تھا اور شریعت اسلامی کے رو سے ایسے جہاد کی شرائط متحقق تھیں ۔ تو پھر اُس "جنتی فرقہ" اور اُس حق پر قائم ہونے والی جماعت نے کیوں انگریزوں کے خلاف "جہاد" نہ کیا اور تمام اُمتِ محمدیہ کا اِس "ضلالت" پر کیونکر "اجماع" ہوگیا ؟ جیسا کہ مولوی ظفر علی آف زمیندار لکھتے ہیں :۔

"جہاد یہی نہیں کہ انسان تلوار اُٹھا کر میدانِ جنگ میں نکل کھڑا ہو ۔ بلکہ یہ بھی ہے کہ تقریر سے تحریر سے ۔ سفر حضر ہر طرح سے جدوجہد کرے ۔ ہندوستانیوں کا اُصول جہاد بے تشدد جدوجہد ہے اس پر تمام ہندوستانیوں کا اتفاق ہے ۔" (اخبار زمیندار ۱۴ جون ۱۹۳۶ء)

پس حضرت مرزا صاحب کے زمانہ میں مسلمانوں کے کسی ایک فرقہ کا بھی انگریزوں کے ساتھ جہاد بالسیف نہ کرنا اس بات کی ناقابل تردید دلیل ہے کہ اس زمانہ میں فی الواقعہ جہاد بالسیف فرض نہ تھا ۔ کیونکہ یہ سب فرقوں کو مسلّم ہے کہ جس وقت جہاد بالسیف فرض ہو جائے ۔ اُس وقت جہاد سے (سوائے بیمار بوڑھے اور معذور کے) تخلف کرنے والا گمراہ اور جہنمی ہوتا ہے اور کبھی ناجی نہیں ہو سکتا ۔ پس یا تو تمام اسلامی فرقوں کو جن میں اہلحدیث ۔ اہلسنت اور شیعہ سب شامل ہیں خارج از اسلام قرار دیں ۔ کیونکہ انہوں نے فریضۂ جہاد سے اُس وقت تخلف کیا ۔ جبکہ از روئے قرآن مجید اُن پر جہاد بالسیف فرض تھا اور یا یہ تسلیم کریں کہ حضرت مرزا صاحب کا فتویٰ دربارہ ممانعتِ جہاد درست تھا اور مَیں سمجھتا ہوں کہ آخر الذکر نتیجہ ہی صحیح ہے ۔ کیونکہ ممانعتِ جہاد کے فتوے کی بنا پر مرزا صاحب علیہ السلام کو کافر کہتے کہتے تمام عالم اسلامی کو خارج از اسلام تسلیم کرنا پڑتا ہے ۔

مسئلہ جہاد کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں

یہ امر بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ مسئلہ جہاد کے بارے میں اس وقت احمدی جماعت اور غیر احمدی حضرات کے درمیان قطعاً کوئی اختلاف نہیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے کہ :۔

ع "عیسیٰ مسیح کر دیگا جنگوں کا التواء"

(تحفہ گولڑویہ ص ۲۶ چھوٹی تقطیع طبع اوّل)

اِس میں جہاد بالسیف ایک وقت تک "ملتوی" کرنے کا اعلان کیا گیا ہے اور ایک دوسرے مقام پر تحریر فرمایا ۔

"اِس زمانہ میں جہاد روحانی صورت سے رنگ پکڑ گیا ہے اور اس زمانہ کا جہاد یہی ہے کہ اعلائے کلمۂ اسلام میں کوشش کریں ۔ مخالفوں کے الزامات کا جواب دیں ۔ دینِ متین اسلام کی خوبیاں دُنیا میں پھیلائیں یہی جہاد ہے جبتک کہ خدا تعالیٰ کوئی دوسری صورت دُنیا میں ظاہر کرے ۔" (مکتوب بنام میر ناصر نواب صاحب

(مندرجہ رسالہ درود شریف صفحہ ۲۲ مؤلفہ حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ہلال پوری)

حضرت امام جماعت احمدیہ کا اعلانِ دربارہ "جہاد"

یہاں پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس امر کا علم کیونکر ہو گا کہ اب "التوا" کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور یہ کہ اب جہاد کی "دوسری صورت" ظاہر ہو چکی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد سلسلۂ خلافت موجود ہے اور یہ کام اب خلیفۂ وقت کا ہے کہ وہ اس "التوا" کے زمانہ کے ختم ہونے کا اعلان کرے۔ چنانچہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے مجلس شوریٰ جماعت احمدیہ منعقدہ ستمبر ۱۹۴۷ء بمقام رتن باغ لاہور میں تمام نمائندگان جماعتہائے احمدیہ کے سامنے اعلان فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس تلوار کے جہاد کے "التوا" کا اعلان حسب ارشادِ نبویؐ یَضَعُ الْحَرْبَ (بخاری) فرمایا تھا۔ اب اس "التوا" کا زمانہ ختم ہو رہا ہے اور جماعت احمدیہ کے افراد کو چاہیئے کہ وہ تلوار کے جہاد کے لئے تیاری کریں تا کہ جب وقتِ جہاد آئے تو سب اس میں شمولیت کے قابل ہوں پھر اس کے بعد جب محاذِ کشمیر پر عملاً جنگ کرنے کا وقت آیا۔ تو مولوی ابوالاعلیٰ مودودی اور دوسرے علماء کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہو گیا۔ کہ آیا کشمیر کی جنگِ آزادی شرعاً جہاد ہے یا نہیں۔ مولوی ابوالاعلیٰ مودودی نے کہا کہ یہ جہاد نہیں۔ اسی طرح احراری لیڈر سید عنایت اللہ شاہ بخاری خطیب مسجد کالری گیٹ گجرات نے بھی کہا کہ جو لوگ محاذِ کشمیر پر جا رہے ہیں "حرام موت" مرنے جا رہے ہیں لیکن جماعت احمدیہ نے بجائے اس اصطلاحی بحث میں پڑ کر وقت ضائع کرنے کے فی الفور میدانِ عمل میں آ کر اس محاذ پر "فرقان فورس" کی شکل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور یہ ثابت کر دیا کہ جب بھی ملک وملت کے لئے "تلوار کے ساتھ جنگ کرنے کا وقت آئے جماعت احمدیہ احراریوں کی طرح "زبانی جمع خرچ" نہیں کرتی بلکہ اس میں عملاً حصہ لیتی ہے اور درحقیقت یہی وہ عملی فضیلت ہے جو جماعت احمدیہ کو اپنے مخالفین پر حاصل ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ جماعت احمدیہ کے افراد نے "فرقان فورس" کی تنظیم کے ماتحت محاذِ جنگ میں محض رضاکارانہ طور پر حصہ لیا۔ کسی قسم کی تنخواہ حکومت سے وصول نہیں کی۔ بلکہ ہزاروں احمدی نوجوان اپنے اپنے کاروبار چھوڑ چھاڑ کر رضاکارانہ طور پر محاذِ جنگ پر گئے۔ حکومت پاکستان اور پاکستان کی بہترین خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اُنکی ان شاندار خدمات کے لیے پاکستانی افواج کے کمانڈر انچیف اور دیگر ذمہ دار حکامِ پاکستان نے جماعت احمدیہ کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے صرف مجلسِ شوریٰ ہی کے موقعہ پر اس "التوا" کے بارے میں اعلان نہیں فرمایا بلکہ مابعد اپنے کلام میں بھی اس کا ذکر فرمایا جو الفضل میں شائع ہو چکا ہے حضور فرماتے ہیں ؎

ہو چکا ہے ختم اب چکر تری تقدیر کا — سونے والے اُٹھ کر وقت آیا ہے اب تدبیر کا
کاغذی جامے کو پھینک اور آہنی زرہیں پہن — وقت اب جاتا رہا ہے شوخیٔ تحریر کا
مدتوں کھیلا گیا ہے لعل و گوہر سے عدو — اب دکھا دے تو ذرا جوہر اُسے شمشیر کا
پیٹ کے دھندوں کو چھوڑ اور قوم کے فکروں میں پڑ — ہاتھ میں شمشیر لے عاشق نہ بن کفگیر کا

ہو چکی مشقِ ستم اپنوں کے سینوں پر بہت
اب ہو دشمن کی طرف رُخ خنجر و شمشیر کا

(اخبار الفضل جلد ۲ لاہور پاکستان ۱۴ر جولائی ۱۹۴۸ء)

غرضیکہ اب اس مسئلہ کے بارے میں قطعاً کوئی اختلاف باقی نہیں ہے۔ مگر افسوس ہے کہ احراری اور اُن کے ہم نوا اب تک محض عوام کو دھوکہ دیکر جماعت احمدیہ کے خلاف مشتعل کرنے کی غرض سے جماعت احمدیہ پر یہ جھوٹا الزام لگاتے چلے جاتے ہیں کہ نعوذ باللہ جماعت احمدیہ جہاد کی منکر ہے۔

محاذِ کشمیر پر احمدی نوجوان اور احراری بوکھلاہٹ

پھر یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو احراری فتنہ پرداز ہمارے خلاف یہ جھوٹا پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ یہ لوگ جہاد کے منکر ہیں۔ مگر دوسری طرف جب جماعت احمدیہ کے نوجوانوں کو عملاً برسرِ پیکار دیکھتے ہیں تو یوں گوہر افشاں ہوتے ہیں:۔

"میں اِن مرزائیوں سے پوچھتا ہوں۔ جب کشمیر کی حسین وادی ڈوگرہ شاہی کے پنجہ استبداد کا شکار تھی اس خطہ کشمیر جنت نظیر کی عزت و آبرو لوٹی جا رہی تھی۔ ہندوستان اور کشمیری مسلمانوں کے درمیان معرکۃ الآرا جنگ جاری تھی۔ اسلام اور کفر کی ٹکر تھی اُس وقت مرزائی کشمیر میں کس پوزیشن سے تشریف لے گئے تھے؟ ...... جب کہ دُنیائے اسلام کے تمام جلیل القدر علماء اور حجاز سے لیکر پاکستان کے آخری کونے تک کے تمام مفتیانِ دین نے واضح الفاظ میں جہاد کشمیر کے سلسلہ میں فتوے صادر کئے بیانات اور تقریروں کے ذریعہ اس جہاد کی اہمیت بیان کی تو کیا اُس وقت اُمتِ مرزائیہ کے موجودہ ڈکٹیٹر مرزا بشیر الدین صاحب محمود نے مرزا غلام احمد کے اس خلافِ جہاد فتوے کی تردید کرتے ہوئے مرزائی جماعت کے اراکین کی غلط فہمی دُور کی؟"

"جب مرزائیوں کے نام نہاد نبی نے ہمیشہ کے لئے جہاد کو حرام قرار دیدیا ہے تو کیا کشمیر میں محض مسلمانوں کی آنکھوں میں دُھول جھونکنے اور انہیں دھوکا دینے کی غرض سے تشریف لے گئے تھے؟"

{ تقریر شیخ حسام الدین احراری ملتان کانفرنس دیکھو "آزاد" کا کانفرنس نمبر ۲۶ دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۱۰ کالم ۴ }

جہاں تک جماعت احمدیہ کی پوزیشن کا تعلق ہے وہ تو اوپر واضح کی جا چکی ہے کہ احمدی جماعت ہرگز جہاد کی منکر نہیں ہے اور نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانی سلسلہ احمدیہ نے "ہمیشہ کے لئے جہاد کو حرام قرار دیا" یہ محض احمدی جماعت پر بہتان ہے جس کی احمدی جماعت سابقہ پچاس سال سے تردید کرتی چلی آئی ہے۔ مگر احراری افتراء پردازی بدستور جاری ہے۔

اوپر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (موجودہ امام جماعت احمدیہ) کے ارشادات اور اعلان بھی درج ہو چکے ہیں جن میں صاف طور پر بتایا گیا ہے کہ اب وہ "التوا" کا زمانہ ختم ہو رہا ہے۔ اس لئے اب احمدی جماعت اگر کسی جہاد میں شریک ہوتی ہے تو وہ احمدیت کی تعلیم کے عین مطابق ہے۔

احراریوں سے ایک سوال

البتہ حسام الدین احراری کے مندرجہ بالا اعلان کی بناء پر ایک حل طلب سوال پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ تو آپ نے تسلیم کر لیا ہے کہ "جبکہ دنیائے اسلام کے تمام جلیل القدر علماء اور حجاز سے لیکر پاکستان کے آخری کونے تک کے تمام مفتیانِ دین نے واضح الفاظ میں جہادِ کشمیر کے سلسلہ میں فتوے صادر کئے بیانات اور تقریروں کے ذریعہ اس جہاد کی اہمیت بیان کی"۔ تو احمدی جماعت کے نوجوان محاذِ کشمیر پر پہنچ گئے اور مہاراجہ کی فوجوں کے خلاف نبرد آزما ہوئے، لیکن سوال یہ ہے کہ "اسلام کے ان تمام جلیل القدر علماء" کے فتاویٰ کا مجلسِ احرار اور ان کے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری پر کیا اثر ہوا ؟ کیا مجلس احرار نے "جیوشِ احرار" محاذِ کشمیر پر بھیجے ؟ کیا اُن کے امیر شریعت نے ان "جلیل القدر علماء" کے فتاویٰ کے ساتھ عملاً اظہارِ اتفاق کیا ؟ ۱۹۵۰ء کے سیلاب کے موقعہ پر جس طرح احراری اخبار "آزاد" کے کالم کے کالم احراری رضاکاروں کو نمائشی "دعوتِ عمل" دینے میں سیاہ ہوتے رہے کیا ایک کالم بھی اس فتویٰ جہاد کی اہمیت بیان کرنے میں صرف کیا گیا ؟

کیا یہ حقیقت نہیں کہ احرار کے مایۂ ناز لیڈر سید عنایت اللہ شاہ بخاری گجراتی نے "اسلام کے جلیل القدر علماء" کے بالمقابل گجرات میں یہ فتویٰ دیا کہ جو لوگ محاذِ کشمیر پر جا کر شہید ہو رہے ہیں وہ حرام موت مر رہے ہیں اور کیا اس فتوے کی بدولت اس احراری لیڈر کو سیفٹی ایکٹ کی دفعہ ۳ کے ماتحت جیل کی ہوا نہیں کھانی پڑی تھی ؟ کیا سید عطاء اللہ شاہ صاحب کے "جواں سال" صاحبزادگان میں سے کسی کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی کہ وہ محاذِ کشمیر پر جا کر "اس جہاد" میں شریک ہو سکتا یا کیا احرار کے "سالارِ اعلیٰ" یا "نائب سالارِ اعلیٰ" یا "آزاد" کے ایم اے فائنل ہیں سے کسی کو اس "جہاد" میں اس اسلام اور کفر کی ٹکر میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ؟ اس وقت "جیوشِ احرار" کہاں تھے ؟ "وہ سُرخ پوش احراری نوجوان اور اُن کا وہ فوجی بینڈ" کہاں تھا ؟ جبکہ مظاہرہ "یوم تشکر" کے موقعہ پر لاہور کے گلی کوچوں اور سڑکوں پر کیا گیا تھا ؟ وہ اور بینڈ بجانے والے "جہادِ کشمیر" کے موقعہ پر کیا موت کی نیند سو رہے تھے ؟ احمدی جماعت کے وہ نوجوان جنہوں نے اپنی تعلیم۔ اپنے کاروبار اور اپنی کھیتی باڑی کو ترک کر کے کشمیر کے محاذ پر جا کر اپنی جانیں قوم و ملک کی خدمت

کے لیے پیش کیں اور کوئی تنخواہ نہیں لی۔ کوئی صلہ نہیں مانگا۔ جنہوں نے اپنی جوانمردی اور شجاعت کے باعث ایک چپہ بھر زمین پر بھی دشمن کا قبضہ نہیں ہونے دیا۔ اُن پر تو تم اعتراض کرتے ہو، لیکن تمہارا اپنا یہ حال ہے کہ جس وقت یہ احمدی نوجوان ڈوگرہ فوج کی توپوں اور ہوائی جہازوں کی بم باری کے سامنے سینے تان کر کھڑے تھے اور هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ کا نعرہ لگا رہے تھے اُس وقت تم لوگ چوہوں کی طرح اپنے بِلوں میں گھسے بیٹھے تھے۔

دھوکہ باز کون ہے؟

احراری معترض کہتا ہے کہ "احمدی نوجوان محاذِ کشمیر پر لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے گئے تھے"۔ اخبار آزاد کا کانفرنس نمبر ۱۲ دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۱ کالم ۳۔ لیکن یہ نادان نہیں جانتا کہ دھوکہ باز انسان اپنی جان کی بازی کھیل کر لوگوں کو دھوکہ نہیں دیا کرتا۔ احمدی نوجوانوں نے اگر دھوکہ دینا ہوتا تو کبھی محاذِ کشمیر پر نہ جاتے۔ قرآن مجید اس پر شاہد ہے کہ منافق کبھی حقیقی جنگ میں نہیں جاتا۔ وہ ہمیشہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتا ہے۔ پس اگر احمدی نوجوانوں نے دھوکہ دینا ہوتا تو وہ بجائے محاذِ کشمیر پر جانے کے احراریوں کی طرح خاموشی کے ساتھ ملتان اور شجاع آباد میں بیٹھ کر یہ وقت گذار دیتے پس دھوکہ باز وہ احمدی نوجوان نہیں تھے جن میں سے بعض نے مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ (الاحزاب: ۲۴) کے مطابق اپنی جانیں محاذِ کشمیر پر جان آفرین کے سپرد کر دیں اور باقی مِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ (الاحزاب: ۲۴) کے مصداق ہوئے۔ دھوکہ باز وہ لوگ ہیں جو خود تو اپنے اہل و عیال میں بیٹھ کر آرام اور تنعم کی زندگی بسر کرتے رہے لیکن آج اُن احمدی نوجوانوں پر زبان طعن دراز کر رہے ہیں۔ جنہوں نے ملک و قوم کی بہترین خدمات سرانجام دیں۔ جن کی خدمات کو حکومتِ پاکستان کے تمام ذمہ دار افسروں نے سراہا۔ آہ! اِن گفتار کے غازیوں کو "کردار" کے غازیوں پر زبان طعن دراز کرتے ہوئے ایک ذرہ بھی شرم محسوس نہیں ہوتی۔

اسلامی جہاد کی اقسام

تعلیم اسلامی کے رو سے جہاد کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ جہادِ کبیر یا جہادِ اکبر ۲۔ جہادِ صغیر یا جہادِ اصغر

قرآن مجید کے رُو سے جہادِ کبیر سے مراد قرآن مجید کے احکام کی تبلیغ اور اُن پر عمل کرنا اور کرانا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔

وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (الفرقان: ۵۳) یعنی اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن مجید کے ساتھ جہاد کر۔ یعنی قرآن مجید کی تبلیغ و اشاعت کر۔

احادیث میں جہاد کے معنی

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل احادیث بھی قابلِ توجہ ہیں:۔

۱۔ بخاری شریف میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"اَفْضَلُ الْجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ۔"

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۴ مصری کتاب الجہاد والسیر باب فضل الجہاد والسیر)

۲۔ "کَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ اَلْجِهَادُ الْاَكْبَرُ"

(مشکوٰۃ و نیز نسائی کتاب البیعۃ صفحہ ۲۳۸ مطبع نظامیہ)

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک جنگ سے واپس مدینہ تشریف لاتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ" (رد المختار علی الدر المختار جلد ۳ صفحہ ۳۳۱)

کہ ہم چھوٹے جہاد (یعنی جنگ) سے فارغ ہو کر جہاد اکبر (بڑے جہاد) یعنی اقامتِ دین و تبلیغ و اشاعتِ اسلام و اصلاحِ عمل میں مشغول ہونے کے لئے جا رہے ہیں۔

پس "جہادِ اکبر" تبلیغ و اقامتِ دین ہے اور جہادِ اصغر تلوار کی لڑائی ہے۔ جماعتِ احمدیہ کے دَورِ اوّل یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی مندرجہ بخاری شریف (یَضَعُ الْحَرْبَ) کے مطابق جماعت احمدیہ کے لئے جہاد کبیر یعنی اقامت و اشاعت اسلام و اصلاحِ عمل مقدر تھا۔ سو جماعت نے یہ جہادِ اکبر اِس شان سے کیا کہ اس وقت روئے زمین پر کسی اور جماعت میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ اِسی طرح جب دَورِ ثانی میں "جہادِ صغیر" کا حکم ملے گا تو انشاء اللہ العزیز جماعت احمدیہ اس میدان میں بھی عدیم النظیر کارہائے نمایاں سرانجام دیگی، لیکن اس کے بالمقابل احراریوں کا کیا حال ہے؟ نہ ان کے لیے "جہادِ کبیر" میں حصہ لینا مقدر ہے اور نہ "جہادِ صغیر" میں۔ جہادِ کبیر یعنی تبلیغ و اشاعتِ اسلام و اصلاحِ عمل کے میدان میں ان کی مساعی محض صفر ہیں۔ پھر کس طرح اُمید کی جائے کہ جب ان کے لئے جہادِ سیفی کا حکم آ جائیگا تو وہ جان کی قربانی کے میدان میں ثابت قدم نکلیں گے؟ افسوس ہے! بقول ڈاکٹر سر محمد اقبال آج کا ملا "فی سبیل اللہ جہاد" تو کر نہیں سکتا۔ البتہ "فی سبیل اللہ فساد" کے لئے ہر وقت تیار ہے۔ (نعوذ باللہ من شرور ہٰذہ الطائفۃ)

دیگر علماء کی شہادتیں

اس امر کے مزید ثبوت کے طور پر کہ جہاد اکبر تبلیغ و اقامتِ دین و اصلاح نفس ہی کا دوسرا نام ہے چند علماء کے اقوال ذیل میں درج ہیں:۔

۱۔ تفسیر قادری موسومہ بہ تفسیر حسینی مترجم اُردو جلد ا صفحہ ۳۷۲ زیر آیت "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ (التوبۃ: ۱۲۳) لکھا ہے:۔

"حق تعالیٰ مسلمانوں کو پاس (نزدیک۔ خادم) کے کافروں سے قتال کرنے کا حکم فرماتا ہے۔ اور کوئی دشمن نفسِ امارہ کفرانِ نعمت کرنے والے سے بدتر نہیں ہے اور سب دشمنوں سے زیادہ تیرے قریب وہی ہے کہ اَعْدٰى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِىْ بَيْنَ جَنْبَيْكَ (بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے) تو اُس سے قتال میں مشغول ہونا کہ جہادِ اکبر ہے۔ اولیٰ اور انسب معلوم ہوتا ہے اور مثنوی

مولانا روم علیہ الرحمۃ میں اسی کی طرف اشارہ ہے ؎

اے شہاں کشتیم ما خصمِ بروں ماند از وخصمی بتر در اندروں
قَدْ رَجَعْنَا مِنْ جِهَادِ الْاَصْغَرِیم ایں زماں اندر جہادِ اکبریم
سہل شیرے واں کہ صفہا بشکند شیر آں را داں کہ خود را بشکند

(تفسیر قادری موسومہ بہ حسینی جلد ۱ صفحہ ۴۲۲ مترجم اُردو زیر آیت بالا سورۃ توبہ: ۱۲۳)

۲۔اس زمانہ میں ملحدین کے ساتھ بحث و مناظرہ کرنا ہی جہاد ہے۔"

(تفسیر حقانی طبع ششم جلد ۴ صفحہ ۲۱۳)

حضرت داتا گنج بخشؒ کا ارشاد

۳۔ حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِي اللّٰهِ (ترمذی کتاب فضائل الجہاد) یعنی مجاہد وہ شخص ہے جس نے راہِ خدا میں اپنے نفس سے جہاد کیا یعنی خدا تعالیٰ کے راضی کرنے کو نفسانی خواہشوں کو روکا اور یہ بھی حضرتؐ نے فرمایا ہے رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ۔ یعنی ہم نے چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف رجوع کیا۔ یعنی غزا میں فی سبیل اللہ قتل ہونا یہ چھوٹا جہاد سمجھا گیا۔ اور اپنے نفسانی خواہشوں کا توڑنا بڑا جہاد قرار پایا۔ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْجِهَادُ الْاَكْبَرُ قَالَ اَلَا وَهِيَ مُجَاهَدَةُ النَّفْسِ (الرد المختار علی الدر المختار جلد ۳ صفحہ ۲۳۵) یعنی پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! جہاد اکبر کیا ہے فرمایا کہ یہ نفس پر قہر کرنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس پر قہر کرنے کو جہاد پر فضیلت فرمائی۔ اس لئے کہ اس میں زیادہ رنج ہوتا ہے کیونکہ وہ جہاد خواہش پر چلنا ہوتا ہے اور مجاہدہ اس کا قہر کرنا۔ پس تجھے خدا عزت فرمائے مجاہدۂ نفس اور اس کے سیاست کا طریق واضح اور ظاہر ہے جو کہ سب دینوں اور مذہبوں میں عمدہ ہے۔ ۔۔۔۔۔ سب انبیاء کا آنا اور شریعت کا ثبوت اور کتابوں کا نازل ہونا اور تکلیف کے سب احکام مجاہدہ ہے۔"

{ کشف المحجوب مترجم اُردو شائع کردہ شیخ الٰہی بخش و محمد جلال الدین ۱۳۲۲ھ صفحہ ۲۲۱ تا صفحہ ۲۲۳
کشف المحجوب فارسی صفحہ ۲۱۳ }

۴۔ یہی عقیدہ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے (ملاحظہ ہو تذکرۃ الاولیاء مصنفہ شیخ فرید الدین عطار باب ۲۷ مترجم اُردو شائع کردہ شیخ برکت علی اینڈ سنز صفحہ ۱۶۷)

۵۔ مولوی ابوالکلام آزاد اپنے رسالہ "مسئلہ خلافت و جزیرۃ عرب" میں لکھتے ہیں:۔

"جہاد کی حقیقت کی نسبت سخت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاد کے معنے صرف لڑنے کے ہیں۔ مخالفینِ اسلام بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ ایسا سمجھنا اس عظیم الشان مقدس حکم کی وسعت کو بالکل محدود کر دینا ہے۔ جہاد کے معنے کمال درجہ کوشش کرنے کے ہیں۔ قرآن و سنت

کی اصطلاح میں اُس کمال سعی کو جو ذاتی اغراض کی جگہ حق پرستی اور سچائی کی راہ میں کی جائے جہاد کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ سعی زبان سے بھی ہے۔ حال سے بھی ہے۔ صرفِ وقت و عمر سے بھی ہے محنت اور تکالیف برداشت کرنے سے بھی ہے اور دشمنوں کے مقابلہ میں لڑنے اور اپنا خون بہانے میں بھی ہے جس سعی کی ضرورت ہو۔ اور جو سعی جس کے امکان میں ہو اُس پر فرض ہے اور جہاد فی سبیل اللہ میں لغت اور شرع دونوں اعتبار سے داخل۔ یہ بات نہیں ہے کہ جہاد سے مقصود مجرد لڑائی ہی ہو۔ سورۃ فرقان آیت ۵۲ میں ہے ۔" فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا " یعنی کافروں کے مقابلہ میں کمال درجہ جہاد کرو۔ سورۃ فرقان بالاتفاق مکی ہے اور معلوم ہے کہ جہاد بالسیف یعنی لڑائی کا حکم ہجرت مدینہ کے بعد ہوا۔ پس اس زندگی میں کونسا جہاد تھا جس کا اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے، جہاد بالسیف تو ہو نہیں سکتا۔ یقیناً وہ حق کی استقامت اور اس کی راہ میں تمام مصیبتیں اور شدتیں جھیل لینے کا نام تھا۔ ۔۔۔۔۔۔ اسی پر "جہاد کبیر" کا اطلاق ہوا۔ اسی طرح منافقوں کے ساتھ بھی جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ حالانکہ منافق تو خود اسلام کے ماتحت مقہورانہ و محکومانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ جنگ و جدال کی ضرورت ہی نہ تھی اور نہ اُن سے جنگ کی گئی۔ سو یہ جہاد بھی تبلیغ حق اور اتمام حجت و مقاومتِ فساد کا جہاد تھا جو قلب و زبان سے تعلق رکھتا ہے ۔۔۔۔۔ لڑائی کے الگ کر دینے کے بعد بھی حقیقتِ جہاد باقی رہتی ہے۔"

(مسئلہ خلافت و جزیرۃ عرب ص۱۰۷ تا ص۱۰۹)

۶۔ مولوی ظفر علی صاحب آف "زمیندار" لکھتے ہیں :۔

"جہاد یہی نہیں کہ انسان تلوار اُٹھا کر میدانِ جنگ میں نکل کھڑا ہو بلکہ یہ بھی ہے کہ تقریر سے، تحریر سے سفر، حضر ہر طرح سے جدوجہد کرے۔ ہندوستان کا اُصولِ جہاد بے تشدد جدوجہد ہے۔ اس پر تمام ہندوستانیوں کا اتفاق ہے۔"

"اسلام نے جب کبھی جہاد (جہاد بالسیف۔ خادم) کی اجازت دی ہے مخصوص حالات میں دی ہے۔ جہاد ملک گیری کی ہوس کا ذریعہ تکمیل نہیں ہے ۔۔۔۔۔۔ اس کے لئے امارت شرط ہے اسلامی حکومت کا نظام شرط ہے۔ دشمنوں کی پیشقدمی اور ابتداء شرط ہے۔ انہی شرطوں کے ساتھ جو مسلمان خدا کی راہ میں نکلتا ہے۔ اس کو کوئی شخص مطعون نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر مسلمانوں نے اپنی حکومت و سلطنت کے زمانہ میں کبھی ملک گیری کے لئے توسیع مملکت کے لئے اقوام و امم کو غلام بنانے کے لئے تلوار اُٹھائی ہے تو اس کو "جہاد" سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

(زمیندار ۱۴ر جون ۱۹۳۶ء)

پھر مولوی ظفر علی صاحب لکھتے ہیں :۔

"حضرت نوح علیہ السلام کا جوشِ تبلیغ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید پرستی ۔۔۔۔۔۔۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا جمال۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا نغمہ۔ حکماء کی تصانیف۔ علماء کے مجاہدے اور زاہدوں کی شب زندہ داریاں سب کی سب جہاد ہی کی مختلف صورتیں تھیں۔"

مختصر یہ کہ اِس آیت (وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا الفرقان ۵۲) میں جَاهِدْ

سے مُراد یہ ہے کہ کافروں کو وعظ و نصیحت کر۔ اور انہیں دعوت و تبلیغ کرکے سمجھا۔ امام فخرالدین رازیؒ نے اپنی مشہور تفسیر کبیر میں یونہی روشنی ڈالی ہے۔" (زمیندار ۲۵ر جون ۱۹۳۶ء)

۷۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی لکھتے ہیں :-

"جہاد کے معنے عموماً قتال اور لڑائی کے سمجھے جاتے ہیں مگر مفہوم کی یہ تنگی قطعاً غلط ہے۔۔۔۔ اس کے معنے محنت اور کوشش کے ہیں۔ اس کے قریب قریب اس کے اصطلاحی معنے بھی ہیں۔ یعنی حق کی بلندی اور اشاعت اور حفاظت کے لئے ہر ایک قسم کی جدوجہد کرنا۔ قربانی اور ایثار گوارا کرنا اور ان تمام جسمانی ومالی ودماغی قوتوں کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو ملی ہیں۔ اس کی راہ میں صرف کرنا۔ یہاں تک کہ اس کے لئے اپنی اور اپنے عزیز واقارب کی۔ اہل عیال کی خاندان کی۔ قوم کی جان تک کو قربان کر دینا اور حق کے مخالفوں اور دشمنوں کی کوششوں کو توڑنا انکی تدبیروں کو رائیگاں کرنا۔ اُن کے حملوں کو روکنا۔ اور اس کے لئے جنگ کے میدان میں اگر اُن سے لڑنا پڑے تو اسکے لئے بھی پوری طرح تیار رہنا بھی جہاد ہے۔"

افسوس ہے کہ مخالفوں نے اتنے اہم اور اتنے ضروری اور اتنے وسیع مفہوم کو جس کے بغیر دنیا میں کوئی تحریک نہ سرسبز ہوئی، نہ ہو سکتی ہے صرف دین کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کے تنگ میدان میں محصور کر دیا۔ یہاں ایک شُبہ کا ازالہ کرنا ضروری ہے کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جہاد" اور" قتال" دونوں ہم معنی ہیں حالانکہ ایسا نہیں۔۔۔۔۔۔ بلکہ ان دونوں میں عام وخاص کی نسبت ہے، یعنی ہر جہاد قتال نہیں بلکہ جہاد کی مختلف قسموں میں سے ایک قتال اور دشمنوں کے ساتھ لڑنا بھی ہے۔"

(سیرت النبی جلد پنجم صفحہ ۲۹۹، ۳۰۰)

۸۔ امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر کا حوالہ جو اوپر دیا گیا ہے وہ درج ذیل ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

وَ اَمَّا قَوْلُهٗ تَعَالٰى "وَجٰهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا" فَقَالَ بَعْضُهُمُ الْمُرَادُ بَذْلُ الْجُهْدِ فِي الْاَدَاءِ وَالدُّعَاءِ وَ قَالَ بَعْضُهُمُ الْمُرَادُ الْقِتَالُ وَ قَالَ اٰخَرُوْنَ كِلَاهُمَا۔ وَ الْاَقْرَبُ الْاَوَّلُ لِاَنَّ السُّوْرَةَ مَكِّيَّةٌ وَ الْاَمْرُ بِالْقِتَالِ وَرَدَ بَعْدَ الْهِجْرَةِ بِزَمَانٍ۔" (تفسیر کبیر امام رازی جلد ۶ صفحہ ۴۹ مصری)

یعنی بعض علماء نے کہا ہے کہ اس آیت میں جہاد سے مراد دعا اور اصلاح کی کوشش ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد جنگ ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے دونوں باتیں مراد ہیں لیکن صحیح معنے پہلے ہی ہیں۔ کیونکہ یہ سورۃ مکی ہے اور جنگ کا حکم ہجرت کے ایک لمبا زمانہ بعد نازل ہوا تھا۔

۹۔ تفسیر ابی السعود میں آیت مندرجہ بالا کی تفسیر میں لکھا ہے :-

"وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ" اَلْقُرْاٰنِ بِتِلَاوَةِ مَا فِي تَضَاعِيْفِهٖ مِنَ الْقَوَارِعِ وَ الزَّوَاجِرِ وَ الْمَوَاعِظِ وَتَذْكِيْرِ اَحْوَالِ الْاُمَمِ الْمُكَذِّبَةِ جِهَادًا كَبِيْرًا) فَاِنَّ

دَعْوَةُ كُلِّ الْعَالَمِيْنَ عَلَى الْوَجْهِ الْمَذْكُوْرِ جِهَادٌ كَبِيْرٌ۔

(تفسیر ابی السعود برحاشیہ تفسیر کبیر امام رازی جلد ۶ صفحہ ۴۹۵ مصری)

"یعنی بہٖ سے مراد قرآن ہے۔ تو کافروں کے ساتھ جہاد کر۔ یعنی قرآن مجید اُن کو پڑھ کر سُنا۔ اور اس میں جو تنبیہات و عذابات ہیں۔ اُن سے اور نیز سابقہ انبیاء کی مکذب اُمتوں کے بد انجام کی جو خبریں ہیں ان کو سُنا کر اُن کو درس عبرت دے۔ یہی جہاد کبیر ہے۔ کیونکہ مندرجہ بالا طریق پر تمام دُنیا کے لوگوں کو تبلیغ و دعوت کا کام کرنا واقعی بہت بڑا جہاد ہے۔"

۱۰۔ تفسیر جلالین میں آیت بالا کے نیچے لکھا ہے :۔

"وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ اَیْ اَلْقُرْاٰنَ جِهَادًا كَبِيْرًا" (تفسیر جلالین مصری صفحہ ۲۸۵)

یعنی کافروں سے جہاد کبیر کر۔ یعنی قرآن کو پیش کرنے کے ذریعہ سے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں "جہاد کبیر" ہی مقدر تھا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی تھی کہ يَضَعُ الْحَرْبَ یعنی مسیح موعود آئیگا تو وہ جہاد بالسیف کو ملتوی کردیگا (بخاری) چنانچہ تفسیر قادری حسینی مترجم اُردو جلد ۲ صفحہ ۴۳۵ میں مرقوم ہے :۔

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا یہاں تک کہ رکھ دیں لڑائی والے ہتھیار اپنے۔ سب جگہ دین اسلام پہنچ جاتے اور قتال کا حکم باقی نہ رہے اور یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ہوگی۔" (تفسیر قادری المعروف حسینی مترجم اردو جلد ۲ صفحہ ۴۳۵ سورۃ محمد)

لیکن جنگ کے بند ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ اب اس کے بعد کبھی تلوار کی جنگ ہو ہی نہیں سکتی۔ خواہ دشمن اسلام کے خلاف تلوار اُٹھائیں۔

پس ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم ہرگز جہاد بالسیف کو حرام اور ناجائز نہیں سمجھتے اور نہ ہی قرآن مجید کی آیات دربارۂ جہاد بالسیف کو منسوخ سمجھتے ہیں۔ بلکہ ہمارا اعلان ہے کہ اسلام میں جن شرائط کے ماتحت جہاد بالسیف فرض ہوگا۔ اگر وہ آج متحقق ہوں تو آج بھی ہم جہاد بالسیف کرنے کے لئے تیار ہیں۔ پس ظالم اور جھوٹا ہے وہ شخص جو یہ کہکر جماعت احمدیہ کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرتا ہے کہ احمدی جماعت جہاد کی منکر ہے۔

پھر ہمارے اس اعلان کے بعد بھی جو شخص اس کذب بیانی اور جھوٹے پروپیگنڈا سے باز نہیں آتا اُسے اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرنا چاہیئے۔ کیونکہ کسی شخص کا عقیدہ وہی سمجھا جاتا ہے۔ جو وہ خود بیان کرے نہ وہ جو اس کا دشمن اس کی طرف منسوب کرے پھر یہ عجیب بات ہے کہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہم جہاد کے منکر نہیں ہیں۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ جہاد بالسیف کا اسلامی حکم منسوخ نہیں۔ مگر دشمن یہ کہتا ہے کہ نہیں تم جہاد کو منسوخ سمجھتے ہو۔ کیا کوئی عقلمند انسان ہمارے دشمنوں کی اس سینہ زوری اور تحکم کو مبنی بر انصاف قرار دے سکتا ہے؟

٭

۴۷۔ "کرم خاکی ہوں" کا جواب

بعض بدزبان احراری حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِس شعر کے نہایت گندے اور شرمناک معنے بیان کرکے اپنی بدفطرتی اور ڈھٹائی کا ثبوت دیتے ہیں۔ سو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے۔

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دُعائی نہیں ہے۔ بلکہ دراصل یہ شعر حضرت داوٗد علیہ السلام کا ہے جس کا حضرت اقدس علیہ السلام نے اُردو میں ترجمہ فرمایا ہے۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کی یہ مناجات زبور میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

"پر مَیں تو کیڑا ہوں۔ انسان نہیں۔ آدمیوں میں انگشت نما ہوں اور لوگوں میں حقیر" (ایڈیشن ۱۹۵۱ء صفحہ ۵۳۹)

انگریزی بائیبل کے الفاظ یہ ہیں:۔

But I am a worm, and no man, a reproach of men and despised of the people.

اس کا لفظی ترجمہ حضرت اقدس علیہ السلام کا زیر نظر شعر ہے:۔

کرم خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

اگر یہ بدزبان احراری حضرت داوٗد علیہ السلام کے زمانے میں ہوتے تو یقیناً حضرت داوٗد علیہ السلام کا مندرجہ بالا شعر اپنی "احرار کانفرسوں" میں پڑھکر حضرت داوٗد علیہ السلام پر بھی بعینہٖ وہی پھبتیاں کستے جو آجکل حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کستے ہیں۔

نوٹ:۔ زبور کا حوالہ حجت ہے۔ بوجوہاتِ ذیل:۔

ا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے کہ جب تک تورات یا زبور کے کسی فرمودہ کے خلاف اللہ تعالیٰ کا تازہ حکم نازل نہ ہوتا۔ اس کو درست اور واجب العمل سمجھتے۔ كَانَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ اَهْلِ الْكِتَابِ فِيْمَا لَمْ يُؤْمَرْ فِيْهِ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ مصر) یہی اصل حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ پر بھی ذکر فرمایا ہے۔

ب۔ حدیث نبویؐ میں ہے:۔

"حَدِّثُوْا عَنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَلَا حَرَجَ"

(ترمذی کتاب العلم باب ماجاء فی الحدیث عن بنی اسرائیل صفحہ ۲۳۹ مطبع احمدی ۱۲۶۶ھ و بخاری و مسند امام احمد و جامع الصغیر للسیوطی مصری جلد ۱ صفحہ ۱۳۶ باب الحدود و مشکوٰۃ کتاب العلم کی پہلی حدیث صفحہ ۳۲ مطبع اصح المطابع)

ترمذی میں اس حدیث کے آگے لکھا ہے:۔ "ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ"۔ نیز امام سیوطیؒ نے بھی لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے (حوالہ مذکورہ بالا) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل سے بے شک روایت لے لو۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ صحابہؓ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تورات اور زبور سے بے شمار روایات لی ہیں۔ اور دیگر علمائے اُمت نے بھی۔

جوابؒ۔ یہ الفاظ انسانوں کو مخاطب کر کے نہیں بلکہ بطور مناجات و دُعا اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے عرض کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ اس سے اگلے اور پچھلے اشعار سے۔ نیز خود اس شعر میں "میرے پیارے" کے الفاظ سے ظاہر ہے ؎

اے خدا اے کارساز و عیب پوش و کردگار	اے میرے پیارے مرے محسن میرے پروردگار
کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس	وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار
بدگمانوں سے بچایا تُو نے خود بن کر گواہ	کر دیا دشمن کو اِک حملہ سے مغلوب اور خوار
تیرے کاموں سے مجھے حیرت ہے اے میرے کریم	کس عمل پر مجھ کو دی ہے خلعتِ قرب و جوار
کرمِ خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں	ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ مَیں آیا پسند
ورنہ درگاہ میں تیری کچھ کم نہ تھے خدمتگزار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۷ طبع اوّل)

پس یہ دعا ہے اور مناجات میں اللہ تعالیٰ کی مافوق التصور ہستی کے بالمقابل انتہائی تذلّل و انکسار اختیار کرنا انبیاء و صلحاء کا شیوہ ہے اور اس پر اعتراض کرنا بدبختوں کا کام ہے اور دُعا کا مفہوم یہ ہے کہ اے خدا! میرے دشمن مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور مجھ سے عار محسوس کرتے ہیں۔ گویا میں اُن کی نظروں میں انسان بھی نہیں ہوں۔ چنانچہ اس نظم کا ایک اور شعر ہے ؎

کس کے آگے ہم کہیں اس دردِ دل کا ماجرا
اُن کو ہے ملنے سے نفرت بات سُننا درکنار (ایضاً ص۹۹)

جوابؒ۔ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی دُعا میں اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:۔

"اِلٰھِیْ! اَنَا عَبْدٌ ذَلِیْلٌ"۔ (تفسیر کبیر امام رازیؒ جلد ۶ ص۱۹۱ مطبوعہ مصر)

"اے خدا! مَیں ذلیل انسان ہوں"۔

لیکن اگر کوئی شخص اس مناجات کی بناء پر حضرت ایوب علیہ السلام کو انہی الفاظ سے مخاطب کرے تو اس سے بڑھ کر بدبخت اور کون ہو سکتا ہے۔

جوابؒ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا ملاحظہ ہو:۔

"قُلِ اللّٰھُمَّ اِنِّیْ ضَعِیْفٌ فَقَوِّنِیْ وَ اِنِّیْ ذَلِیْلٌ فَاَعِزَّنِیْ وَ اِنِّیْ فَقِیْرٌ فَارْزُقْنِیْ"۔

(مستدرک امام حاکم بحوالہ جامع الصغیر امام سیوطی جلد ۱ باب القاف مصری ص۸۳)

یعنی کہ اے خدا! میں کمزور ہوں تو مجھے طاقت دے۔ میں ذلیل ہوں مجھے عزت اور غلبہ عطا فرما۔ میں فقیر ہوں۔ مجھے رزق دے۔ (آمین)

جواب۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَسْمَعُ کَلَامِیْ وَتَرٰی مَکَانِیْ وَتَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ وَلَا یَخْفٰی عَلَیْکَ شَیْئٌ مِنْ اَمْرِیْ وَاَنَا الْبَائِسُ الْفَقِیْرُ۔۔۔۔ وَاَبْتَھِلُ اِلَیْکَ اِبْتِھَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ وَاَدْعُوْکَ دَعْوَا الْخَائِفِ الضَّرِیْرِ۔

(الطبرانی بحوالہ جامع الصغیر للسیوطی جلد ا صفحہ مصری باب الالف)

"یعنی اے اللہ! تو میرے کلام کو سنتا اور میرے مکان کو دیکھتا ہے تو میرے مخفی اور ظاہر کا علم رکھتا ہے میرے کام میں سے کوئی چیز تجھ سے مخفی نہیں ہے اور میں مفلس اور محتاج ہوں۔۔۔۔ اور میں تیرے حضور میں ایک گنہگار ذلیل کی طرح گڑگڑاتا ہوں اور ایک خائف نابینا کی سی دعا کرتا ہوں۔"

چونکہ یہ خدا کے بندے کی اپنے خالق کے حضور مناجات ہے اس لیے اس میں جتنا بھی تذلل و انکسار زیادہ ہوگا۔ دعا کرنیوالے کی علوِ مرتبت پر دلیل ہوگا نہ کہ محلِ اعتراض۔

جواب۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:۔

"میں نے حدیث شریف پڑھی ہے جس میں جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ زمانہ آخر میں مخلوق کا نیک گمان اس شخص کے متعلق ہوگا جو سب سے بدتر ہوگا اور وعظ بیان کرے گا۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ کو سب سے بدترین دیکھا۔ اس لئے آنحضرت صلعم کا ارشاد سچا ہونے کی وجہ سے وعظ بیان کرتا ہوں۔"

{ تذکرۃ الاولیاء شیخ فریدالدین عطارؒ باب در بیان حضرت جنید بغدادیؒ مترجم اردو مطبع علمی پرنٹنگ پریس صفحہ ۱۲۔ خلیل الاصفیاء ترجمہ اردو تذکرۃ الاولیاء جلال پرنٹنگ پریس لاہور صفحہ ۳۰۲ }

حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی کتاب کشف المحجوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

جواب۔ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ امام صاحب (امام جعفر صادقؒ) کے پاس آئے اور کہا۔ اے رسول اللہ کے بیٹے! مجھے کوئی نصیحت فرماؤ کیونکہ میرا دل سیاہ ہوگیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے ابا سلمان! آپ اپنے زمانہ کے زاہد ہیں آپ کو میری نصیحت کی کیا ضرورت ہے، داؤد طائی نے فرمایا کہ اے فرزند پیغمبر خداوند تعالیٰ نے آپ کو سب خلقت پر فضیلت بخشی ہے آپ کو سب کے لئے نصیحت کرنا واجب ہے امام صاحب نے فرمایا کہ اے ابا سلمان! میں ڈرتا ہوں کہ قیامت کو میرا دادا بزرگوار مجھے گرفت کرے کہ تو نے حق متابعت ادا نہیں کیا اور یہ کام نسب سے صحیح اور نسب سے قوی نہیں ہوتا۔۔۔۔ داؤد طائی رونے لگے اور کہا کہ اے خداوند عزوجل! جس کا خمیر نبوت کے پانی سے ہے اور اس کی طبیعت کی ترکیب دلائل روشن سے ہے اور جسکا دادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ماں بتول فاطمۃ الزہراؓ ہے اسکے سامنے داؤد کون ہوتا ہے۔ جو اپنے معاملہ پر غرہ ہو۔ یہ بھی انہیں سے روایت ہے کہ ایک روز اپنے غلاموں میں بیٹھے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ آؤ ہم بیعت کریں یعنی عہد کریں کہ قیامت کے دن جو شخص ہم میں سے نجات پائے وہ سب کی شفاعت کرے لوروں نے کہا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے! آپ

کو ہماری شفاعت کی کیا پروا ہے، کیونکہ آپ کے جدِ مبارک سب خلقت کے شفیع ہیں۔ امام صاحب (امام
جعفر صادقؒ) نے کہا کہ میں اپنے فعلوں کے ساتھ شرم رکھتا ہوں کہ دادا بزرگوار کو کس طرح منہ دکھاؤں گا اور
یہ سب اپنے نفس کی عیب گیری ہے۔ اور یہ صفت کامل صفتوں سے ہے اور سب باریاب جناب الٰہی
کے انبیاء اور اولیاء اور رسول اسی صفت پر ہوئے ہیں۔"
(کشف المحجوب مترجم اردو باب چھٹا مطبوعہ مطبع عزیزی ۱۳۲۲ھ صفحہ ۹۱)

جوابؔ۔ خدا کے نیک بندوں سے انکسار تذلّل کا اظہار صرف اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے وقت ہی
نہیں بلکہ مناسب موقعہ پر دوسرے انسانوں کے سامنے بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر
رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے:۔

"اِنَّ اَعْرَابِیًّا جَآءَ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ فَقَالَ اَ اَنْتَ خَلِیْفَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ؟ قَالَ لَا اَنَا الْخَالِفَۃُ بَعْدَہٗ"
(نہایہ مطبوعہ مصر صفحہ ۵۶ و منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۶۱)

یعنی ایک اعرابی نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ کیا آپ خلیفہ رسول صلعم ہیں۔ تو آپ نے فرمایا نہیں
بلکہ میں تو "خالفہ" ہوں۔ اور "خالفہ" کے معنے مجمع البحار الانوار جلد ا صفحہ ۳۴۰ میں "اَلَّذِیْ لَا خَیْرَ فِیْہِ"
لکھے ہیں۔ یعنی وہ جس میں کوئی بھلائی نہ ہو۔ اب احراریوں کی طرح شیعہ بھی حضرت ابوبکرؓ کے اس منکسرانہ
فقرہ کو اُڑاتے پھرتے ہیں۔ (دیکھو کلمۃ الحق مباحثہ جلالپور جٹاں از حافظ روشن علی صاحب صفحہ ۲)

جوابؔ۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں:۔

ا۔ اِنَّ الْمُھَیْمِنَ لَا یُحِبُّ تَکَبُّرًا ؛ مِنْ خَلْقِہِ الضُّعَفَاءِ دُوْدِ فَنَاءِ
(انجام آتھم صفحہ ۲۸۱)

کہ خدا تعالیٰ اپنی مخلوق سے جو ضعیف اور کیڑے ہیں تکبر پسند نہیں کرتا۔
اس شعر میں حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تمام مخلوق کو کیڑے اور کرم خاکی قرار
دیا ہے اور تکبر سے اظہارِ نفرت فرمایا ہے۔

ب:۔ پھر فرماتے ہیں ؎
وَمَا نَحْنُ اِلَّا کَالْفَتِیْلِ مَذَلَّۃً ؛ بِاَعْیُنِھِمْ بَلْ مِنْہُ اَدْنٰی وَ اَحْقَرُ
(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۴۹ طبع اول)

ترجمہ:۔ کہ ہم اپنے مخالفوں کی نظر میں ایک ریشۂ خرما کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ حقیر اور ذلیل

ج:۔ پھر تحریر فرماتے ہیں:۔
"اس آیت میں اُن نادان موحدوں کا رد ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کی دوسرے انبیاء پر فضیلت کلی ثابت نہیں اور ضعیف حدیثوں کو پیش کرکے کہتے ہیں کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مجھ کو یونس بن متّٰی سے بھی زیادہ فضیلت دی جائے
یہ نادان نہیں سمجھتے کہ ..... وہ بطور انکسار اور تذلل ہے جو ہمیشہ ہمارے سید صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی ہر ایک

بات کا ایک موقعہ اور محل ہوتا ہے۔ اگر کوئی صالح اپنے خط میں احقر العباد اللہ لکھے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ شخص درحقیقت تمام دنیا، یہاں تک کہ تمام بُت پرستوں اور تمام فاسقوں سے بدتر ہے اور خود اقرار کرتا ہے کہ وہ احقر العباد اللہ ہے۔ کس قدر نادانی اور شرارتِ نفس ہے۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۱۹۳)

۴۸ - عدالت میں معاہدہ

حضرت مرزا صاحب نے مجسٹریٹ سے ڈر کر عدالت میں لکھدیا کہ مَیں کوئی ایسی پیشگوئی جو کسی کی موت کے متعلق ہو بغیر فریقِ ثانی کی اجازت کے شائع نہ کروں گا۔

جوابؔ :- حضرت اقدس علیہ السلام کا طریق ابتداء ہی سے یہ تھا کہ حضورؑ کسی کی موت کی پیشگوئی بغیر اس فریق کی اپنی خواہش اور اجازت کے شائع نہ فرمایا کرتے تھے۔ یہ معاہدہ بعدالت ایم ڈوئی ڈپٹی کمشنر گورداسپور میں ۲۴ر فروری ۱۸۹۹ء کو ہوا (مجموعہ اشتہارات جلد ۳ صفحہ ۱۳۴) جس کا تم حوالہ دیتے ہو۔ مگر ۱۸۸۶ء میں یعنی اس معاہدہ سے ۱۳ سال قبل حضرت اقدس علیہ السلام نے لیکھرام پشاوری و اندرمن مرادآبادی کے متعلق جب اپنی مشہور انذاری پیشگوئی شائع فرمانے کا ارادہ فرمایا۔ تو اُن سے کہا کہ اگر تم چاہو تو مَیں تمہارے قضا و قدر کے متعلق جو علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے اس کو شائع کر دوں۔ اس پر اندرمن مرادآبادی کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے اس کی موت کے متعلق پیشگوئی شائع نہ فرمائی۔ ہاں لیکھرام نے اجازت دی۔ سو اس کی موت کی چھ سالہ پیشگوئی حضورؑ نے شائع فرما دی۔ پھر جو اس کا انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔

چنانچہ حضرت اقدس علیہ السلام اپنے اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء میں یعنی معاہدہ عدالت سے ۱۳ سال پہلے تحریر فرماتے ہیں :-

"اگر کسی صاحب پر کوئی ایسی پیشگوئی شاق گذرے تو وہ مجاز ہیں کہ یکم مارچ ۱۸۸۶ء سے یا اس تاریخ سے جو کسی اخبار میں پہلی دفعہ یہ مضمون شائع ہو ٹھیک ٹھیک دو ہفتہ کے اندر اپنی دستخطی تحریر سے مجھے اطلاع دیں۔ تا وہ پیشگوئی جس کے ظہور سے وہ ڈرتے ہیں اندراجِ رسالہ سے علیحدہ رکھی جائے۔ اور موجب دلآزاری سمجھ کر کسی کو اس پر مطلع نہ کیا جاوے اور کسی کو اُس کے وقتِ ظہور سے خبر نہ دی جائے۔"
(اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء۔ تبلیغ رسالت جلد ۱ صفحہ ۵۹)

پھر حضورؑ عدالت ڈوئی والے معاہدہ کا ذکر کر کے فرماتے ہیں :-

"یہ ایسے دستخط نہیں ہیں۔ جن سے ہمارے کاروبار میں کچھ بھی حرج ہو۔ بلکہ مدت ہوئی کہ مَیں کتاب انجام آتھم کے صفحہ آخیر میں بتصریح اشتہار دے چکا ہوں کہ ہم آئندہ ان لوگوں کو مخاطب نہیں کریں گے جب تک کہ خود ان کی طرف سے تحریک نہ ہو۔ بلکہ اس بارے میں ایک الہام بھی شائع کر چکا ہوں جو میری کتاب آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۲۹۴ میں درج ہے .... مجھے یہ بھی افسوس ہے کہ ان لوگوں نے محض شرارت سے یہ بھی مشہور کیا ہے کہ اب الہام کے شائع کرنے کی ممانعت ہو گئی اور ہنسی سے کہا کہ اب الہام کے

m0625 (1446x2424x256 jpeg)

دروازے بند ہو گئے۔ مگر ذرا حیا کو کام میں لا کر سوچیں کہ اگر الہام کے دروازے بند ہو گئے تھے تو میری بعد کی تالیفات میں کیوں الہام شائع ہوتے؟ اسی کتاب تریاق القلوب کو دیکھیں کہ کیا اس میں الہام کم ہیں؟"

(تریاق القلوب کلاں ص۹۱ حاشیہ و خورد ص۱۳۱ و ص۱۳۲ حاشیہ طبع اول)

پھر اس معاہدہ سے چھ سال قبل حضور نے تحریر فرمایا:۔

"اس عاجز نے اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں اندر من مراد آبادی اور لیکھرام پشاوری کو اس بات کی دعوت دی تھی کہ اگر وہ خواہشمند ہوں تو ان کی قضا و قدر کی نسبت بعض پیشگوئیاں شائع کی جائیں سو اس اشتہار کے بعد "اندر من" نے تو اعراض کیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد فوت ہو گیا۔ لیکن لیکھرام نے بڑی دلیری سے ایک کارڈ اس عاجز کی طرف روانہ کیا۔ کہ میری نسبت جو پیشگوئی چاہو شائع کردو۔ میری طرف سے اجازت ہے۔"

(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء نیز تذکرہ ص۲۲۱ طبع سوم، تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۴)

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اشتہار ۲۰ جنوری ۱۸۹۹ء یعنی عدالت میں معاہدہ زیر اعتراض کرنے۔ (۲۴ فروری ۱۸۹۹ء) سے ایک ماہ قبل تحریر فرماتے ہیں:۔

"کہ میرا ابتداء ہی سے یہ طریق ہے کہ میں نے کبھی کوئی انذاری پیشگوئی بغیر رضامندی مصداق پیشگوئی کے شائع نہیں کی۔"

(تبلیغ رسالت جلد ۸ ص۲۸)

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طریق ابتداء ہی سے یہ تھا کہ ابتداءً اپنی طرف سے نہ کرتے تھے بلکہ فریق مخالف کی رضامندی حاصل کرکے اس کو شائع فرماتے تھے۔ اُس وقت عدالت کا معاہدہ تو کوئی نہ تھا۔ پس جب سالہا سال بعد عدالت میں یہی طریق فیصلہ قرار پایا تو حضور نے اس کو اپنے سابقہ طرزِ عمل کے مطابق پاکر اس کا اقرار کر لیا جس میں خوف کا کوئی دخل نہ تھا۔ اگر مجسٹریٹ کسی شخص سے یہ کہے کہ تم سچ بولنے یا نماز پڑھنے کا اقرار کرو۔ اس پر ایک ایسے شخص کا اقرار جو پہلے ہی سچ بولتا اور نماز پڑھتا ہو۔ بزدلی یا ڈرنے پر محمول نہ ہوگا بعینہٖ اسی طرح حضرت اقدس علیہ السلام کا اقرار آپ کے سابقہ طرزِ عمل کے عین مطابق ہونے کے باعث محلِ اعتراض نہیں ہو سکتا۔

جواب۲۔ لیکن تم ذرا مندرجہ ذیل امور کے متعلق بھی اپنے رائے کا اظہار کرو۔ بخاری میں ہے:۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْجَدَارِ مِنَ الْبَيْتِ قَالَ نَعَمْ۔۔۔۔ قُلْتُ فَمَا شَأْنُ بَابِهٖ مُرْتَفِعًا۔ قَالَ فَعَلَ ذَالِكَ قَوْمُكِ لِيُدْخِلُوْا مَنْ شَاءُوْا وَيَمْنَعُوْا مَنْ شَاءُوْا وَلَوْلَا اَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثٌ عَهْدُهُمْ بِالْجَاهِلِيَّةِ فَاَخَافُ اَنْ يُنْكِرَ قُلُوْبُهُمْ اَنْ اُدْخِلَ الْجَدْرَ فِي الْبَيْتِ وَاَنْ اُلْصِقَ بَابَهٗ بِالْاَرْضِ۔

(بخاری کتاب الحج باب فضل مکۃ و بُنْيَانِهَا و آیت سورۃ البقرہ ۱۲۶، ۱۲۹)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلعم سے کعبہ کی دیوار کے متعلق دریافت کیا کہ کیا وہ بھی کعبہ میں داخل ہے تو آپ نے فرمایا: "ہاں"۔۔۔۔ پھر میں نے عرض کی کہ دروازہ کی کیا کیفیت ہے،

یہ اس قدر اونچا کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا۔ یہ تمہاری قوم نے اس لئے کیا کہ جسے چاہیں کعبہ میں داخل کریں اور جس کو چاہیں روک دیں۔ اگر تمہاری قوم کا زمانہ جاہلیت کے قریب نہ ہوتا اور مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ وہ اس کو بُرا منائیں گے۔ تو میں ضرور دیوار کو کعبہ میں داخل کر دیتا۔ اور اس کے دروازے کو زمین سے ملا دیتا۔"

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تیری قوم جاہلیت کے قریب نہ ہوتی تو کعبہ کو گرا کر اس کے دو دروازے بناتا۔ ایک شرقی دروازہ اور ایک غربی دروازہ۔" (تجرید بخاری مترجم اردو جلد ۱ صفحہ ۳۲ و نیز دیکھو جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۰ مجتبائی)

اِس میں عوام کے "خوف" سے دیوار کعبہ کے متعلق نہایت مفید خواہش کی تکمیل سے کنارہ کشی کی گئی ہے۔

جواب۔ صلح حدیبیہ کا واقعہ سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لفظ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور رسول اللہ کٹوا دیا اور اس شرط پر صلح کی کہ اگر کوئی غیر مسلموں میں سے مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئے گا تو ہم اس کو واپس کر دیں گے، لیکن اگر کوئی مسلمان مُرتد ہو کر کافروں کے پاس چلا جائے تو وہ اُسے واپس نہ کریں۔ نیز یہ کہ طواف کعبہ بھی اس سال نہ ہوگا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ کے بعد واپس چلے گئے۔ یہ واقعہ بخاری و مسلم میں موجود ہے اور مشکوٰۃ کتاب الصلح صفحہ ۳۵۳ و ۳۵۴ مطبع اصح المطابع۔ تجرید بخاری مترجم اردو جلد ۲ صفحہ ۱۶ میں بھی ہے، لیکن اس جگہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مندرجہ ذیل الفاظ درج کئے جاتے ہیں جو لکھا ہے کہ آپ نے صلحنامہ کی تحریر کے وقت کہے تھے:۔

"وَثَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَاَتٰى اَبَا بَكْرٍ۔ فَقَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ اَلَيْسَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ بَلٰى قَالَ اَوَلَسْنَا بِالْمُسْلِمِيْنَ قَالَ بَلٰى قَالَ اَوَلَيْسُوْا بِالْمُشْرِكِيْنَ قَالَ بَلٰى قَالَ فَعَلَامَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِيْ دِيْنِنَا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَا عُمَرُ اَلْزِمْ غَرْزَهٗ فَاِنِّيْ اَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ قَالَ عُمَرُ وَاَنَا اَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلَسْتَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ بَلٰى! قَالَ اَوَلَسْنَا بِالْمُسْلِمِيْنَ قَالَ بَلٰى! قَالَ اَوَلَيْسُوْا بِالْمُشْرِكِيْنَ، قَالَ بَلٰى! قَالَ فَعَلَامَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِيْ دِيْنِنَا۔"

(سیرۃ ابن ہشام عربی جلد ۲ صفحہ ۱۶۹ واقعہ حدیبیہ)

ترجمہ:۔ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ بڑی تیزی سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آتے اور اُن سے کہا۔ اے ابوبکرؓ! کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خُدا کے رسول نہیں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ہاں ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا۔ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا۔ ہیں! پھر حضرت عمرؓ نے کہا، کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں! پھر حضرت عمرؓ نے کہا۔ پھر کیا وجہ ہے

کہ ہم اِن کے ساتھ ایسی شرائط پر صلح کریں جس میں ہمارے دین کی ہتک ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اے عمرؓ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب پکڑے رہ۔ کیونکہ مَیں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ مَیں بھی شہادت دیتا ہوں کہ حضورؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اِس کے بعد حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا۔ اے رسول اللہ! کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ حضور صلعم نے فرمایا۔ ہاں ہوں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا۔ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا۔ کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا! ہاں ہیں! تو اس پر حضرت عمرؓ نے کہا پھر ہم کیوں دب کر صلح کریں جس سے ہمارے دین کی ہتک ہو۔

اب دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا جلیل القدر انسان بھی "دب کر صلح کرنا" اور اپنی ہتک قرار دیتا ہے۔ لیکن کیا فی الحقیقت یہ ایسا ہی تھا۔ نہیں ہرگز نہیں۔

بعینہٖ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اقرار بھی تم کو بزدلی نظر آتا ہے۔ مگر اہلِ بصیرت اس کو بھی حضرت اقدسؑ کی فتح سمجھتے ہیں کیونکہ اس معاہدہ کے رُو سے مولوی محمد حسین بٹالوی اوّل المکفرین نے اپنا فتویٰ کفر واپس لے لیا تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو تریاق ص۱۳۰ طبع اول)

جواب۔ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو کچھ معاہدہ میں تحریر فرمایا۔ وہ ہرگز عدالت کے ڈر یا خوف کے باعث نہیں تھا، لیکن قرآن مجید میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ دربارِ فرعون میں خوف زدہ ہو گئے۔ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی (طٰہٰ : ۶۸) کہ موسیٰ علیہ السلام ساحروں کی رسیاں اور سوٹیاں سانپ کی طرح دوڑتی دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے۔

اِسی طرح دربارِ فرعون میں جانے سے پہلے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام خوف کھاتے اور ڈرتے تھے قرآن مجید میں ہے:۔

"قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَآ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی" (طٰہٰ : ۴۶) کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے کہا۔ اے ہمارے رب ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں فرعون ہم پر زیادتی نہ کرے یا ہمارے مقابلہ میں نہ اُٹھ کھڑا ہو۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ (القصص ۳۴) کہ اے میرے رب! مَیں نے فرعونیوں کا ایک آدمی قتل کیا ہوا ہے۔ اس لئے مجھے ڈر ہے کہ وہ کہیں مجھ کو قتل نہ کر دیں۔ پس میری بجائے میرے بھائی ہارون کو دربار فرعون میں بھجوا دیجئے۔

حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

اُنْظُرْ اِلٰی مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ کَیْفَ کَانَ یَخَافُ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَسْکَرِهٖ (تفسیر کبیر جلد ۸ ص۵۳۹ آخری سطر زیر آیت انا اعطینٰک الکوثر۔ سورۃ الکوثر ۲) یعنی موسیٰ کی طرف دیکھ کر وہ فرعون اور اس کے لشکر سے کسقدر خوفزدہ تھے۔

امام رازی پھر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اِنَّ ذٰلِکَ الْخَوْفَ مِنْ لَوَازِمِ الْبَشْرِیَّةِ کَمَا اَنَّ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ کَانَ یَخَافُ فِرْعَوْنَ مَعَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی کَانَ یَاْمُرُهٗ بِالذَّهَابِ اِلَیْهِ مِرَارًا" (تفسیر کبیر جلد ۶ ص۳۰ زیر آیت قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ یَا مُوْسٰی۔ سورۃ طٰہٰ: ۳۷) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا خوف لوازم بشریت میں سے تھا جس طرح موسیٰ علیہ السلام فرعون سے ڈرتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انکو بار بار فرعون کے پاس جانے کا حکم بھی دیا تھا۔

جواب۳۔ پھر کیا ۲۰ر فروری ۱۸۹۹ء کے اس معاہدہ کے بعد حضرت اقدس علیہ السلام نے کوئی انذاری پیشگوئی شائع نہیں فرمائی؟ اس کے بعد غلام دستگیر قصوری، محی الدین لکھو کے، چراغ الدین جمونی، سعد اللہ لدھیانوی۔ ڈوئی امریکن۔ الٰہی بخش اکونٹنٹ وغیرہ ہلاک ہوتے اور ظاہر ہے کہ ان میں سے بعض کی ہلاکت بددعا اور بعض کی حضرت اقدس کی پیشگوئی کے نتیجہ میں ہوئی۔

پس معاہدۂ عدالت الہام الٰہی میں روک نہیں ہوا۔ بلکہ وہ ایسے طریق پر تھا کہ جس پر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام ابتدائے دعویٰ ہی سے عمل پیرا تھے۔

۴۹۔ جغرافیہ دانی پر اعتراض

مرزا صاحب نے لکھا ہے:۔

"قادیان لاہور سے گوشہ مغرب اور جنوب میں واقع ہے۔" (تریاق القلوب ص ۲ حاشیہ آخر)

جواب:۔ دراصل فقرہ بالا میں لفظ "سے" کاتب کی غلطی سے بجائے "قادیان" اور "لاہور" کے درمیان لکھا جانے کے "لاہور" کے بعد لکھا گیا ہے جس سے مضمون بگڑ گیا ہے اصل فقرہ یوں تھا۔

"قادیان سے لاہور گوشہ مغرب اور جنوب میں واقع ہے۔"

اور یہی درست ہے۔ اس بات کا ثبوت کہ یہ غلطی مصنف کی نہیں بلکہ کاتب کی ہے یہ ہے کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب "ستارۂ قیصریہ" کے پہلے صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"قادیان۔۔۔۔۔ جو لاہور سے تخمیناً بفاصلہ ستر میل مشرق اور شمال کے گوشہ میں واقع اور گورداسپورہ کے ضلع میں ہے۔" (ستارۂ قیصریہ ص۱)

ثابت ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو قادیان کی سمت لاہور سے معلوم تھی۔ ہاں اگر کاتب کو معلوم نہ ہو تو اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں۔

۵۰۔ معراج

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ معراج جسمانی نہ تھا بلکہ روحانی تھا۔

الجواب:۔ (۱) بخاری میں معراج کی حدیث کے آخر میں ہے:۔

وَاسْتَیْقَظَ وَھُوَ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" (بخاری کتاب التوحید باب قَوْلُهٗ وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا جلد ۴ صـ ۱۱۹ مصری)، کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوگئے اور آپ مسجدِ حرام میں تھے۔

کیا آسمان سے اُترنے والا آدمی بیدار ہوا کرتا ہے یا سویا ہوا؟

(۲) حضرت معاویہؓ۔ حضرت عائشہؓ۔ حضرت خدیجہؓ۔ حضرت حسن بصریؒ۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔ حضرت امام ابن قیمؒ۔ یہ سب معراج روحانی کے قائل تھے۔ چنانچہ تفسیر کشاف مصنفہ ابو القاسم الزمخشری متوفی ۱۱۴۴ھ میں ہے۔

"وَاخْتُلِفَ فِیْ اَنَّهٗ کَانَ فِی الْیَقْظَةِ اَمْ فِی الْمَنَامِ۔ فَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّهَا قَالَتْ وَاللّٰہِ مَا فُقِدَ جَسَدُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلٰکِنْ عُرِجَ بِرُوْحِهٖ وَعَنِ الْحَسَنِ کَانَ فِی الْمَنَامِ رُؤْیًا رَاٰهُ صَلْعَمْ"

(تفسیر کشاف تفسیر سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱: جلد ۲ صـ ۴۳۷ مصری)

کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ معراج بیداری کی حالت میں ہوا یا سوتے ہوئے۔ پس حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جسم یہاں سے گم نہیں ہوا۔ بلکہ آپ کی رُوح اُٹھائی گئی تھی اور حضرت معاویہؓ نے بھی فرمایا کہ آپ کی رُوح اُٹھائی گئی اور حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ معراج نیند کی حالت میں ایک خواب تھا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا۔ حضرت عائشہؓ کا قول وغیرہ (زاد المعاد مصنفہ حافظ ابن قیم جلد ۱ صـ ۳۰۲ و تفسیر کبیر جلد ۵ صـ ۳۵۵ و سیرت ابن ہشام جلد ۱ صـ ۲۶۵ مطبوعہ لندن۔ ابن جریر جلد ۱۵ صـ ۱۳ و حجۃ اللہ البالغہ مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ باب الاسراء و تذکرۃ الملوک صـ ۱۳ و شرح شفا ملا علی قاری جلد ۱ صـ ۴۰۳ و شہاب علی الشفا۔ جلد ۲ صـ ۲۹۶ و تفسیر خازن جلد ۴ صـ ۱۱ و اقارہ جلد ۲ صـ ۲۴۲ میں درج ہے)۔

نوٹ:۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت عائشہؓ کی شہادت خواہ عینی نہ بھی ہو پھر بھی قابلِ قبول ہے۔ کیونکہ انہوں نے حلف اُٹھا کر بیان کی ہے۔ نیز اس کے متعلق لکھا ہے:۔ فَاِذَا لَمْ تُشَاهِدْ ذٰلِكَ عَائِشَةُ دَلَّ عَلٰی اَنَّهَا حَدَّثَتْ عَنْ غَیْرِهَا مِنَ الصَّحَابَةِ فَحَدِیْثُهَا مِنْ مُرْسَلَاتِ الصَّحَابَةِ فَهُوَ صَحِیْحٌ اَیْضًا (شہاب علی الشفا جلد ۲ صـ ۲۰۵) کہ جبکہ حضرت عائشہؓ نے یہ واقعہ خود نہیں دیکھا۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عائشہؓ نے روایت اپنے علاوہ کسی صحابی سے لی ہے پس اندریں صورت یہ حدیث مرسلات صحابہؓ سے ہوگی جو وہ بھی صحیح ہے۔ پس حضرت عائشہؓ کی شہادت سب سے زیادہ وزن دار ہے اور اُن کا حلف اُٹھانا بتاتا ہے کہ غالباً انہوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات معلوم کی ہوگی۔ ورنہ پورے وثوق کے بغیر قسم نہیں اُٹھائی جا سکتی۔ پس جبکہ معراج کے جسمانی یا روحانی ہونے کا مسئلہ ابتداء ہی سے اختلافی ہے۔ پھر کیا اعتراض؟

۵۱ - حج بند

مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی میں لکھا ہے کہ خُدا نے میرے وقت میں حج بند کر دیا ہے۔ اب کوئی حج کی ضرورت نہیں ہے۔

جواب ۱:۔ یہ جھوٹ ہے۔ حقیقۃ الوحی کیا کسی کتاب سے دکھا دو تو انعام لو۔

۲۔ حضرتؑ نے تو حقیقۃ الوحی میں یہ لکھا ہے کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں حج کسی مدت تک روک دیا جائے گا۔ چنانچہ میرے زمانہ میں ایک دفعہ سخت بیماری پڑنے کی وجہ سے ایک سال ۱۸۹۹-۱۹۰۰ء کے لیے روک دیا گیا تھا۔ بس۔ حضرت اقدسؑ نے قطعاً یہ نہیں فرمایا کہ خدا نے اب حج کے فریضہ کو منسوخ کر دیا ہے۔ (نعوذ باللہ)

(دیکھو حقیقۃ الوحی ص۱۹۸ طبع اوّل)

۳۔ "جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے۔" (کشتی نوح ص۱۵ طبع اوّل)

۴۔ حدیث جس کی طرف حضرت اقدسؑ نے اشارہ فرمایا ہے۔ منتخب کنز العمال جلد ۶ ص۱۳ پر ہے۔

لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی لَا یُحَجُّ الْبَیْتَ رَوَاہُ اَبُوْ یَعْلٰی وَالْحَاکِمُ۔

۵۔ اقتراب الساعۃ صفحہ ۲۸، ۲۹ طبع اوّل مطبوعہ مفید عام پریس پر مندرجہ بالا حدیث کا علامات قیامت میں بدیں الفاظ ذکر ہے۔

"اُٹھا تیسویں علامت بند ہو جانا راہِ حج کا اور اُٹھا لے جانا حجرِ اسود کا کعبہ معظمہ سے ہے حدیث ابی سعید میں مرفوعاً آیا ہے۔ قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ گھر کا حج نہ ہوگا۔ رواہ الحاکم وصححہ والبزار و ابویعلیٰ و ابن حبان ..... یہ دونوں کام ہو چکے۔ حج بھی بند ہوا۔ رکن کو بھی قرامطہ لے گئے۔ سنہ ۳۲۰ھ سے لیکر ۳۲۷ھ تک بسبب فتنہ قرامطہ بغداد سے حج بند ہو گیا۔"

گویا حج بند ہونے سے مراد عارضی طور پر رُکنا ہے۔

۵۲ - تقدیر اور ملائکہ کوئی نہیں

(ازالہ اوہام ٹائیٹل پیج)

جواب:۔ جھُوٹ ہے۔ "ازالہ اوہام" کے ٹائیٹل پیج چھوڑ حضرت اقدسؑ کی کسی کتاب میں بھی تقدیر اور ملائکہ کا انکار نہیں۔ بلکہ حضرت اقدسؑ نے تو بار بار خدا تعالیٰ کی تقدیر اور ملائکہ کا اقرار کیا ہے ؎

قبضۂ تقدیر میں دل ہیں اگر چاہے خُدا پھیر دے میری طرف آجائیں پھر بے اختیار

(براہین احمدیہ حصّہ پنجم ص۹۰ طبع اوّل)

پھر فرمایا:۔

؎ تری باتوں کے فرشتے بھی نہیں ہیں رازدار

(ایضاً)

اے مری جاں کی پنہ فوجِ ملائک کو اُتار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۱۹ طبع اوّل)

۲۔ "ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق اور حشرِ اجساد حق۔ اور روزِ حساب حق اور جنّت حق اور جہنّم حق ہے" (ایام الصلح ص۸۷ طبع اوّل)

۵۳۔ قرآن میں گالیاں بھری ہیں

جواب :۔ سفید جھوٹ ہے۔ حضرتؑ نے تو لکھا ہے کہ اگر ہر وہ بات جو قدرے سخت ہو خواہ وہ امرِ واقعہ ہو۔ گالی ہے تو پھر ماننا پڑیگا کہ قرآن میں گالیاں ہیں (ازالہ اوہام ص۱۳ چھوٹی تقطیع طبع اوّل) کیونکہ قرآن مجید تو کافروں کے سب پردے کھول کر رکھ دیتا ہے۔ اسے گالی قرار دینا خود حماقت ہے کیونکہ اظہارِ واقعہ اور چیز ہے اور گالی اور۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو شرطی طور پر لکھا ہے نہ کہ مطلق۔

۵۴۔ خُدا کی طاقتیں تیندوے کے جال کی طرح

(توضیح مرام طبع اوّل ص۷۵)

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوریٰ : ۱۲)

جواب :۔ خدا تعالیٰ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ کا مصداق تو ضرور ہے۔ مگر اُس کی بعض صفات کو بیان کرنے کے لئے اگر دنیوی مثال نہ دی جائے تو کہاں سے دی جائے۔ خود قرآن مجید نے مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ (النور : ۳۶) فرمایا ہے۔ یعنی خُدا کے نُور کی مثال ایک قندیل کی طرح ہے جس طرح نُورِ خداوندی کی مثال مشکوٰۃ سے دی جاسکتی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح خدا کی صفات کا ایک ہی وقت میں مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں اثر پذیر ہونا بھی تیندوے کے جال والی مثال سے بیان کیا جاسکتا ہے۔

۵۵۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا عقیدہ دربارہ ولادت مسیح علیہ السلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ یہی تھا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور خدا کے فضل سے یہی جماعت احمدیہ کا عقیدہ ہے اہلِ پیغام کے عقیدہ کے ہم ذمہ دار نہیں اور نہ وہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کی پرواہ کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کُتب سے چند حوالجات لکھے جاتے ہیں۔ (۱) هُوَ خَلْقُ عِيْسٰى مِنْ غَيْرِ اَبٍ بِالْقُدْرَةِ الْمُجَرَّدَةِ۔ (مواہب الرحمٰن ص۷۰ طبع اوّل) اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسٰیؑ خدا تعالےٰ کی قدرتِ مجرّدہ سے بے باپ پیدا ہوئے۔

(۲) "هَـٰذَا الَّذِىْ تَوَلَّدَ عِيْسَىٰ مِنْ دُوْنِ الْاَبِ" (مواہب الرحمٰن ص۷۰ طبع اول) اسی طرح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بے باپ پیدا ہونا ہے۔

(۳) "اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یوسف نجار کے نطفہ سے پیدا ہوئے وہ جہالت کی وجہ سے حقیقت کو نہیں جانتے" (ترجمہ عربی مواہب الرحمٰن ص۷۰ طبع اول)

(۴) کشتی نوح ص۶۵ طبع اول۔ مریم صدیقہؑ ...... نے پدر سائی کی۔"

(۵) "مَنْ عجب تر از مسیح بے پدر"

(درثمین فارسی ص۱۱۴)

(۶) تحفۂ گولڑویہ ص۲۲ ، ص۲۳ ، ص۴۰ حاشیہ ص۵۸ حاشیہ ص۱۲۰ طبع اول۔

۵۶۔ نبی کی ہر دُعا قبول نہیں ہوتی

مرزا صاحب نے مبارک احمد اور مولوی عبدالکریم صاحب کی صحت کیلئے دُعائیں کیں۔ مگر قبول نہ ہوئیں اور وہ فوت ہو گئے۔

الجواب ا۔ ضروری نہیں کہ نبی کی ہر دُعا قبول ہو۔ (۱) صحیح ترمذی میں ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ اِنِّیْ سَاَلْتُ اللّٰہَ فِیْھَا ثَلَاثًا فَاَعْطَانِیْ ثِنْتَیْنِ وَمَنَعَنِیْ وَاحِدَۃً (ترمذی باب الفتن جلد ۲ ص۴۰ مجتبائی) کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین دُعائیں کیں۔ جن میں سے خدا نے دو منظور کریں اور ایک نامنظور کر دی۔ وہ نامنظور دُعا یہ تھی: "سَاَلْتُہٗ اَنْ لَّا یُذِیْقَ بَعْضَھُمْ بَاْسَ بَعْضٍ فَمَنَعَنِیْھَا" (ایضاً نیز مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ص۵۱۳ مطبع اصح المطابع) کہ میں نے دُعا کی کہ میری اُمت کا ایک حصہ دوسرے حصہ سے نہ لڑے۔ مگر خدا نے منظور نہ کی۔

۲۔ "اِسْتَاْذَنْتُ رَبِّیْ اَنْ اَسْتَغْفِرَ لِاُمِّیْ فَلَمْ یَاْذَنْ لِیْ" (مسلم کتاب الجنائز جلد ا ص۳۵۹ پہلا ایڈیشن مصری) کہ میں نے خدا تعالیٰ سے دُعا کی کہ مجھے اپنی والدہ کے لئے استغفار کرنے کی اجازت دی جائے مگر خدا تعالیٰ نے مجھے اجازت نہ دی۔

(نیز دیکھو تفسیر قادری موسومہ بہ تفسیر حسینی مترجم اُردو جلد ا ص۴۱۵ مطبع مجیدی کانپور ۱۹۳۰ء)

۳۔ حضرت ابو حامد محمد امام غزالیؒ اپنی کتاب "اَلْاِقْتِصَادُ فِی الْاِعْتِقَادِ باب دوم القدرت" میں فرماتے ہیں:۔

"کئی دفعہ یہ بات ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے خدا سے دُعائیں مانگیں اور ان کو اپنی دُعائیں قبول ہونے کا بھی یقین تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے کسی مصلحت کی وجہ سے اُن کو قبول نہ کیا۔"

(اُردو ترجمہ علم الکلام ص۷۱ پہلا ایڈیشن)

۴۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی دُعاؤں کی قبولیت کی تفصیل حقیقۃ الوحی ص۳۱۰ و ص۳۳۱ و آسمانی فیصلہ ص۱۱ ، ص۱۲ طبع سوم پر بیان فرمائی ہے۔

۵۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دعویٰ افضیلت کا الزام

۱۔ "ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین ہزار معجزات ظہور میں آئے"۔ (تحفہ گولڑویہ صہ۴۰ طبع اول)
ب۔ "اُس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشانات ظاہر کئے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں"۔
(تتمہ حقیقۃ الوحی صہ۶۳)

الجواب (۱) "تذکرۃ الشہادتین صہ۴۱" باستثناء قرآن کریم (۲) نزول المسیح صہ۸۴
ایک جلسہ کرو اور ہمارے معجزات اور پیشگوئیاں سنو۔ اور ہمارے گواہوں کی شہادت رویت جو حلفی شہادت ہوگی۔ قلمبند کرتے جاؤ۔ اور پھر اگر آپ لوگوں کے لئے ممکن ہو تو باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیا میں کسی نبی یا ولی کے معجزات کو اُن کے مقابل پیش کرو"۔
(نزول المسیح صہ۸۴ طبع اول)

(۳) ایک معجزہ کئی نشانوں پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ مگر ایک نشان کئی معجزوں پر مشتمل نہیں ہوتا۔
(۴) حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔
"اُس نے میرا دعوےٰ ثابت کرنے کے لئے اس قدر معجزات دکھائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنہوں نے اِسقدر معجزات دکھائے ہوں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اُس نے اسقدر معجزات کا دریا رواں کر دیا ہے کہ باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام میں ان کا ثبوت اس کثرت کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے"۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی صہ۱۳۶ طبع اول)

پھر فرماتے ہیں:۔
"کسی نبی سے اِسقدر معجزات ظاہر نہیں ہوئے جسقدر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔۔۔۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اب تک ظہور میں آ رہے ہیں اور قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے جو کچھ میری تائید میں ظاہر ہوتا ہے دراصل وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں"۔ (ایضاً صہ۳۵)
گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے معجزات سے کئی لاکھ زیادہ ہیں۔
اب اگر یہ سوال ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلعم کے تین ہزار معجزات کیوں لکھے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ "تین ہزار معجزات" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل معجزات نہیں بلکہ یہ صرف وہ معجزات ہیں جو صحابہ رضوان اللہ علیہم کے سامنے ظاہر ہوئے۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھتے ہیں:۔
"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تو چاروں طرف سے چمک رہے ہیں۔ وہ کیونکر چھپ سکتے ہیں صرف وہ معجزات جو صحابہؓ کی شہادتوں سے ثابت ہیں وہ تین ہزار معجزہ ہے اور پیشگوئیاں تو دس ہزار سے بھی زیادہ ہونگی۔ جو اپنے وقتوں پر پوری ہوگئیں اور ہوتی جاتی ہیں۔ ماسوائے اس کے بعض معجزات اور پیشگوئیاں قرآن شریف کی ایسی ہیں کہ ہمارے لئے بھی اس زمانہ میں محسوس و مشہود کا حکم رکھتی ہیں۔ اور کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا"۔ (تصدیق النبی صہ۴۰ مرتبہ فخر الدین ملتانی از تحریرات حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

پس ثابت ہوا کہ د۔ "تین ہزار معجزات" سے مراد صرف اسقدر معجزات ہیں جو صحابہؓ کی شہادتوں سے ثابت ہیں۔

ب۔ پیشگوئیاں ان معجزات میں شامل نہیں۔

ج۔ وہ پیشگوئیاں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پوری ہوئیں۔ وہ علاوہ ان تین ہزار معجزات کے دس ہزار سے زیادہ تھیں۔

د۔ آپ کی پیشگوئیاں اور معجزات قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے لہٰذا ان کو گنا ہی نہیں جا سکتا۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"کراماتِ اولیا، سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہیں"

(کشف المحجوب مترجم اردو شائع کردہ برکت علی اینڈ سنز علمی پریس ص۲۵۶)

پس اندریں حالات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے "نشانات" جن میں اکثر پیشگوئیاں بھی شامل ہیں۔ اگر تین لاکھ کی بجائے دس لاکھ بھی ہوں پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے ان کی کوئی نسبت ہی نہیں ٹھہرتی۔

(۵) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ سہولت کامل (نشر و اشاعت کی) پہلے کسی نبی یا رسول کو ہرگز نہیں دی گئی مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اِس سے باہر ہیں۔ کیونکہ جو کچھ مجھے دیا گیا وہ اُنہیں کا ہے۔"

(نزول المسیح ص۲۳ حاشیہ طبع اوّل)

اِن عبارات میں حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اپنے نشانات و معجزات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ تو یہ کسرِ نفسی کے طور پر نہیں بلکہ امرِ واقع ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے بعض نشانات جو حقیقۃ الوحی ص۱۹۳ طبع اوّل سے آخر کتاب تک لکھے ہیں۔ اگر ان کو بغور دیکھا جائے تو وہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نشانات اور معجزات ثابت ہوتے ہیں مثلاً حقیقۃ الوحی ص۱۹۳ پر پہلا نشان حضرت اقدس علیہ السلام نے حدیث مجدّدین کو قرار دیا ہے۔ کہ ہر صدی پر مجدّدین آنے کی پیشگوئی میری صداقت کا نشان ہے۔ اب یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور اس کا چودہویں صدی کے سر پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات میں پورا ہونا جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا نشان ہے وہاں اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت کا نشان ہے۔

اسی طرح حقیقۃ الوحی ص۱۹۴ پر حدیثِ کسوف و خسوف رمضان۔ صحیح دار قطنی ص۱۸۸ کو حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنی صداقت کا دوسرا نشان قرار دیا ہے اور درحقیقت یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے اور اس کا ۱۸۹۴ء میں حضرت اقدس علیہ السلام کے زمانہ میں پورا ہونا۔ جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا نشان ہے۔ وہاں اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت کا نشان ہے۔ علیٰ ہذا القیاس حقیقۃ الوحی ص۱۹۵ پر ایک نشان ستارہ ذوالسنین کے نکلنے کی پیشگوئی اور اُس کا

حضرت اقدس علیہ السلام کے وقت میں پورا ہونا۔ ستارہ ذوالسنین نکلنے کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے جو نجم الکرام صفحہ ۲۵ پر درج ہے۔ پس یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان ہے۔ غرضیکہ اسی طرح پانچواں۔ چھٹا۔ ساتواں علیٰ ہٰذا۔ نشان حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنی صداقت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی پیشگوئیوں کو قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"مَیں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اُس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی تاثیرِ قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اُس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دُنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دُنیا میں لایا۔ اُس نے خدا سے انتہائی درجہ محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی۔ اس لئے خدا نے جو اُس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام انبیاء اور تمام اوّلین وآخرین پر فضیلت بخشی۔ اور اُسکی مُرادیں اُس کی زندگی میں اُس کو دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اُسکے کے کسی فضیلت کا دعوےٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں بلکہ ذرّیتِ شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کُنجی اس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اُس کو عطا کیا گیا ہے۔ جو اُس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محرومِ ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں۔ اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم کافر نعمت ہونگے۔ اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحیدِ حقیقی ہم نے اسی نبیؐ کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خُدا کی شناخت اُسی کامل نبی کے ذریعہ سے اور اُس کے نُور سے ملی ہے اور خُدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اُس کا چہرہ دیکھتے ہیں۔ اُسی بزرگ نبیؐ کے ذریعہ سے ہمیں میسّر آیا ہے۔ اُس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اُسی وقت تک ہم منوّر رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اُس کے مقابل پر کھڑے ہیں۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱۵، صفحہ ۱۱۶ طبع اوّل)

غرضیکہ اِن حقائق کے پیشِ نظر یہ کہنا کہ مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے نشانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قرار دیئے ہیں۔ انتہائی بددیانتی اور شرارت ہے۔ خصوصاً جبکہ حضرت اقدسؑ کا دعویٰ ہی یہ ہے "کُلُّ بَرَکَۃٍ مِّنْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ فَتَبَارَکَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ" کہ مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شاگرد ہوں۔ اور ہر ایک برکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاک وجود سے ہے۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۸ طبع اوّل عربی حصہ)

نیز فرمایا:۔

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا
نام اُس کا ہے محمد دلبر مرا یہی ہے
اُس نُور پر فدا ہوں، اُس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے مَیں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

(درّثمین اُردو صفحہ ۸۲، صفحہ ۸۳)

(۹) جیسا کہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہونے کا ہے، لیکن حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جن کی عظیم شخصیت کا اقرار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بھی (کشف المحجوب مترجم اُردو صفحہ ۱۴۲ مطبوعہ دین محمدی پریس) پر فرمایا ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔ الہامات پر اعتراضات کا جواب زیر عنوان "حجر اسود منم" کے جواب میں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کی نسبت لکھا ہے :۔

"بایزید سے لوگوں نے کہا کہ قیامت کے دن ساری خلقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہوگی۔ تو فرمایا۔ قسم خدا کی میرا لِوَاء (جھنڈا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لِوَاء سے زیادہ ہے کہ خلائق اور پیغمبر میرے جھنڈے کے نیچے ہونگے۔ مجھ جیسا نہ آسمان میں پائیں گے نہ زمین میں"۔

اس کے آگے حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"جب کوئی شخص ایسا ہے تو...... اُسکو زبانِ حق حاصل ہوگی اور کہنے والا بھی حق ہوگا۔ اُس کا بولنا حق کا بولنا ہوگا۔ تو ضرور حق بایزیدؒ کی زبان سے کہتا ہے کہ میرا لِوَاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لِوَاء سے برتر ہے۔ جب یہ روا ہے کہ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ " (طٰہٰ : ۱۵) ایک درخت سے ظاہر ہو۔ تو یہ بھی رَوا ہے کہ لِوَائِیْٓ اَعْظَمُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ اور سُبْحَانِیْ مَآ اَعْظَمُ شَانِیْ " بایزیدؒ سے ظاہر ہو"۔ (ظہیر الاصفیاء اُردو ترجمہ تذکرۃ الاولیاء۔ باب چودھواں صفحہ ۱۵۹ و تذکرۃ الاولیاء۔ اُردو شائع کردہ شیخ برکت علی اینڈ سنز صفحہ ۱۳۰)

(۷) اِس سلسلہ میں مزید حوالجات ملاحظہ ہوں مضمون ختم نبوت کے آخر میں "شرک فی الرسالۃ" کا نعرہ بلند کرنے والوں سے ایک سوال۔

۵۸۔ میرے لئے دو گرہن

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک نشان گرہن کا ظاہر ہوا تھا اور میرے لئے دُو کا۔

لَہٗ خَسَفَ الْقَمَرُ الْمُنِیْرُ وَاِنَّ لِیْ غَسَا الْقَمَرَانِ الْمُشْرِقَانِ اَتُنْکِرُ

الجواب :۔ مفصل طور پر پچھلے اعتراض کے جواب میں گذر چکا ہے کہ خسوف و کسوف کا نشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشگوئی مندرجہ دارقطنی صفحہ ۱۸۸ کے مطابق ۱۸۹۴ء کے رمضان میں ظاہر ہوا اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اِنَّ لِمَھْدِیِّنَا اٰیَتَیْنِ کہ ہمارے مہدی کے لیے یہ دُو نشان ہونگے۔ پس ان دُو نشانوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق ظاہر ہونا سب سے پہلے تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت کا نشان ہے۔ پس یہ دو نشان جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت کے بھی دُو نشان ہوئے۔ ایک نشان شق القمر کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی میں ظاہر ہوا۔ وہ ان دُو کے علاوہ ہے غرضیکہ

درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کے یہ تین نشان ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کے اِس کے بالمقابل دو نشان۔

اب اگر کوئی کہے کہ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ہی نشان اور اپنے دو نشان لکھے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام اس قصیدہ میں اپنے مخالف علماء۔ مولوی ثناء اللہ وغیرہ کو مخاطب فرمارہے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ مخالف مولوی تو یہ نہیں مانتے کہ حدیث مذکور کسوف وخسوف مندرجہ سُنن دار قطنی ص۱۸۸ کے مطابق ۱۸۹۴ء میں چاند اور سورج کو گرہن لگا۔ وہ تو اس کو حدیث ہی قرار نہیں دیتے بلکہ امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کا قول قرار دیتے ہیں۔ گویا اُن کے نزدیک یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئی نہ تھی جو پوری ہوئی بلکہ یا تو کسی جھوٹے راوی کی پیشگوئی تھی یا زیادہ سے زیادہ امام محمد باقرؒ کی۔ پس بخیال غیر احمدیاں آنحضرت صلعم کی تائید میں ایک ہی نشان شق القمر کا ہوا۔ لہٰذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اُن کو الزامی طور پر کہا کہ آنحضرت صلعم کی تائید میں ایک نشان تھا اور میری تائید میں دو نشان۔ ورنہ حضرت صاحب کے نزدیک تو "جو کچھ ہماری تائید میں ظاہر ہوتا ہے دراصل وہ سب آنحضرت صلعم کے معجزات ہیں" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۳۵ طبع اول) یہی حقیقت ہے۔

باقی رہا محمدیہ پاکٹ بک کے مصنف کا ص۲۵۵ پر لکھنا کہ "لَہٗ خَسَفَ الْقَمَرُ الْمُنِیْرُ" کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں صرف "چاند گرہن" ہوا تھا اور چاند کے دو ٹکڑے نہ ہوئے تھے محض جہالت ہے۔ کیونکہ عربی زبان میں خَسَفَ کے معنے ٹوٹنے۔ سوراخ دار ہونے کے بھی ہیں۔ اور گرہن لگنے کے بھی۔ پس اعجاز احمدی کے شعر میں جہاں آنحضرت صلعم کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا وہاں اس کے معنے اِنْشَقَّ الْقَمَرُ ہی کے ہیں اور جہاں حضرت مسیح موعود کے لیے استعمال ہوا وہاں اس کے معنے محض گرہن کے ہیں جیسا کہ واقعہ میں ہوا تھا۔ "شق القمر" کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مذہب "سرمہ چشم آریہ" نیز چشمہ معرفت حصہ دوم ص۲۱ طبع اول پر صاف طور پر مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم کی انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

نوٹ:۔ بعض غیر احمدی قاضی اکمل صاحب کا یہ شعر؎

محمدؐ پھر اُتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں

(اخبار پیغام صلح لاہور مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۱۶ء)

پیش کیا کرتے ہیں۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اس شعر کی نسبت تحریر فرمایا ہے کہ "الفاظ ناپسندیدہ اور بے ادبی کے ہیں"

(الفضل ۱۹ اگست ۱۹۳۴ء ص۵ جلد ۲۲ صف۲۲)

اسی طرح ڈاکٹر شاہنواز صاحب کے ایک مضمون شائع شدہ ریویو آف ریلیجنز کا ایک فقرہ کہ حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کا ذہنی ارتقاء آنحضرت صلعم سے زیادہ تھا" پیش کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ سیدنا حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ڈاکٹر صاحب موصوف کے اس نتیجہ کو "غلط" قرار دیا ہے اور ان الفاظ کو نامناسب اور قابلِ اعتراض قرار دیا ہے۔

(الفضل ۴۲/۲۲ جلد ۲۲ مورخہ ۱۹ راگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۵)

۵۹ - صد حسین است در گریبانم

الجواب:- (۱) اس شعر میں حضرت اقدسؑ نے اپنی فضیلت یا اپنے مقام کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اپنی تکالیف کا ذکر فرمایا ہے جیسا کہ مصرع اوّل میں ہے ؎

کربلائے است سیر ہر آنم

(۲) "گریبان" بمعنی "جیب" نہیں ہوا کرتا بلکہ گریبان کے نیچے تو انسان کا اپنا وجود خصوصاً دل زیادہ قریب ہوتا ہے۔ پس شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت میں کربلا کے میدان اور شہادتِ حسینؑ کا خیال ذہنی اور حالی طور پر رکھتا ہوں۔ گویا میرے دل میں سو حسین کے لئے جگہ ہے پس یہ اظہارِ محبت ہے۔

(۳) حضرت اقدسؑ نے اپنی اور اپنے معتقدین کی تکالیف اور کابل کے شہداء کے پیش نظر یہ فرمایا ہے۔

(۴) گو اس شعر میں حضرت اقدسؑ نے حضرت امام حسینؓ پر اپنی فضیلت کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اپنی تکالیف کو بیان فرمایا ہے۔ مگر تاہم ہمارا ایمان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی ہیں اور نبی بہرحال ایک غیر نبی سے افضل ہے۔ بھلا تم ہی بتاؤ کہ تمہارا مسیح موعود حضرت امام حسینؓ سے بڑا ہوگا یا چھوٹا؟

(۵) امام محمد بن سیرینؒ کی روایت حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۶ میں درج ہے۔

"تَكُوْنُ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ خَلِيْفَةٌ خَيْرًا مِنْ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ" (حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۶) کہ اس امت میں ایک خلیفہ ہوگا جو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے افضل ہوگا۔ نیز دیکھو اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۰۱۔ "ابن سیرین سے مروی ہے کہ مہدی بہتر ہیں ابی بکرؓ و عمرؓ سے کہا۔ کیا اُن سے وہ بہتر ہوں گے؟ کہا! لگتا ہے کہ بعض انبیاء سے بھی بہتر ہوں۔" (اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۰۱ مطبوعہ ۱۳۰۱ھ)

(۶) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو صرف اسی قدر لکھا ہے۔ "صد حسین است در گریبانم"۔ تمہارے معنی ہی مان لئے جائیں تو پھر بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی پیرانِ پیرؒ فرماتے ہیں۔ "لَيْسَ فِيْ جُبَّتِيْ سِوَى اللّٰهِ" (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی جلد ۱ صفحہ ۲۴۳ مکتوب ۲۸۲) کہ میرے پیراہن میں اللہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہزار امام حسینؓ بھی اللہ کے برابر نہیں ہو سکتے۔ فرمایئے حضرت پیرانِ پیر پر آپ کیا فتویٰ لگاتے ہیں؟

(۷) حضرت پیرانِ پیر فرماتے ہیں:- "اَلْمَهْدِيُّ الَّذِيْ يَجِيْئُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ فَاِنَّهٗ يَكُوْنُ فِي الْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ تَابِعًا لِمُحَمَّدٍ صلعم وَ فِي الْمَعَارِفِ وَ الْعُلُوْمِ وَ الْحَقِيْقَةِ تَكُوْنُ جَمِيْعُ الْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ تَابِعِيْنَ لَهٗ كُلُّهُمْ لِاَنَّ بَاطِنَهٗ

بَاطِنُ مُحَمَّدٍ صَلْعَمْ (شرح فصوص الحکم مطبعۃ الازہر مصریہ صفحہ ۵۱، ۵۲) کہ امام مہدی علیہ السلام جو آخری زمانہ میں ہونگے۔ چونکہ وہ احکام شرعی میں آنحضرت صلعم کے تابع ہونگے۔ اس لئے معارف اور علوم اور حقیقت میں تمام کے تمام ولی اور نبی اس کے تابع ہونگے۔ کیونکہ اس کا باطن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن ہوگا۔

(۸) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس شعر سے حضرت امام حسینؓ کی توہین ہرگز مقصود نہیں ہوسکتی کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"کوئی انسان حسینؓ جیسے یا حضرت عیسٰیؑ جیسے راستباز پر بدزبانی کرکے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا اور وعید مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ۔ دست بدست اُس کو پکڑ لیتا ہے۔" (اعجاز احمدی ص۳۳ طبع اول) نیز مفصل دیکھو حضورؑ کا اشتہار ۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء و تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۲، ۱۰۵۔

۶۰۔ ہر رسولے نہاں بہ پیراہنم

جواب:۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:۔ "لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ" (مکتوبات امام ربانی جلد ۱ ص۲۴۴) کہ میرے پیراہن میں اللہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ نیز رسالہ صراط مستقیم حضرت اسمٰعیل شہید ص۳۳، ۱۲۲

۶۱۔ منم محمدؐ و احمد کہ مجتبیٰ باشد

الجواب ۱۔ حضرت پیرانِ پیر سید عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:۔ "میں اپنے جدِ امجد کے قدم پر ہوں نہ اُٹھایا کوئی قدم آنحضرت صلعم نے کسی مقام سے کہ نہ رکھا میں نے قدم اپنا اس جگہ پر" روایت شیخ شہاب الدین سہروردی۔ (کتاب بُہجۃ الاسرار بحوالہ گلدستہ کرامات تالیف ۱۳۰۲ھ مطبوعہ نولکشور ص۱۳)

۲۔ پھر فرماتے ہیں:۔ هٰذَا وُجُوْدُ جَدِّیْ صَلْعَمْ لَا وُجُوْدَ عَبْدِ الْقَادِرِ (کتاب مناقب تاج الاولیاء مطبوعہ مصر ص۳۳ و گلدستہ کرامات ص۱) کہ یہ عبدالقادر کا وجود نہیں بلکہ محمدؐ کا وجود ہے۔

۳۔ اَنَّ بَاطِنَهٗ بَاطِنُ مُحَمَّدٍ صَلْعَمْ (شرح فصوص الحکم مطبعۃ الازہر مصریہ صفحہ ۵۱، ۵۲) کہ مہدی کا باطن محمد صلعم کا باطن ہوگا۔ (یہ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کا قول ہے) پس اگر ایک غیر نبی کے اس قسم کے اقوال تمہارے نزدیک محلِ اعتراض نہیں تو ایک نبی کے اقوال پر تمہارا اعتراض مضحکہ خیز ہے۔

۴۔ حضرت اسمٰعیل شہیدؒ صراط مستقیم صفحہ ۱۳، ۱۴ پر فرماتے ہیں:۔

"چوں امواج جذب وکشش رحمانی نفس کاملہ ایں طالب را در قعر لجج بحار احدیت فرومیکشد۔ زمزمہ اَنَا الْحَقُّ وَلَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ ازاں سر برے زند کہ کلام ہدایت التیام کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ الخ۔۔۔۔۔ وزنہار دریں معاملہ تعجب نہ نمائی و بانکار پیش نہ آئی۔ زیرا کہ چوں از نارِ وادیٔ مقدس ندا اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ سر برزد۔ اگر از نفس کاملہ کہ اشرف موجودات

است و نمونۂ حضرت ذات است۔ آواز انا الحق برآید محل تعجب نیست"۔

۵۔ امام مہدی کی علامات میں ہے:۔ یَقُوْلُ یَا مَعْشَرَ الْخَلَائِقِ۔۔۔۔ اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی مُحَمَّدٍ۔۔۔۔۔ فَهَا اَنَا ذَا مُحَمَّدٌ (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۲) یعنی امام مہدی کہے گا اے لوگو! تم میں سے جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا چاہتا ہے وہ سن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوں گویا "منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد" کہنا مہدویت کی علامت ہے نہ کہ محل اعتراض!

(مکمل حوالہ دیکھو پاکٹ بک ہذا صفحہ ۶۴۲)

۶۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے:۔

"کسی نے پوچھا عرش کیا ہے؟ فرمایا! "میں ہوں" پوچھا کرسی کیا ہے؟ فرمایا "میں ہوں" پوچھا لوح کیا ہے؟ فرمایا "میں" کہا خدائے عزوجل کے برگزیدہ بندے ہیں۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰ۔ عیسیٰ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا "سب میں ہوں" (ظہیر الاصفیاء۔ ترجمہ اردو تذکرۃ الاولیاء۔ چودھواں باب صفحہ ۱۵۳، صفحہ ۱۵۵ و تذکرۃ الاولیاء اردو شائع کردہ شیخ برکت علی اینڈ سنز بار سوم صفحہ ۱۲۸ مزید تفصیل ملاحظہ ہو۔ آنحضرت صلعم پر دعویٰ فضیلت کے الزام کے جواب میں صفحہ ۶۲۳)۔

۶۲۔ حضرت فاطمہؓ کی ران پر سر رکھنا

مرزا صاحب نے یہ لکھ کر کہ میں نے خواب میں حضرت فاطمہؓ کی ران پر سر رکھا۔ حضرت فاطمہؓ کی توہین کی ہے۔

جوابؒ ۱۔ تمہاری دھوکہ دہی اور تحریف کو طشت از بام کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود کی اصل عبارت نقل کی جاتی ہے:۔ "کشف۔۔۔۔۔ دیکھا تھا کہ حضرات پنجتن سید الکونین حسنینؓ فاطمۃ الزہراؓ اور علیؓ عین بیداری میں آئے اور حضرت فاطمہؓ نے کمال محبت اور مادرانہ عطوفت کے رنگ میں اس عاجز کا سر اپنی ران پر رکھ لیا۔۔۔۔ غرض میرے وجود میں ایک حصہ اسرائیلی ہے اور ایک حصہ فاطمی"۔

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۹ طبع اوّل)

گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ ثابت فرما رہے ہیں کہ حضورؑ حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے ہیں اور عبارت میں "مادرانہ عطوفت" کا لفظ بھی موجود ہے۔

ب۔ دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔ "ایک کشف میں۔۔۔۔ میرا سر بیٹوں کی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ران پر ہے"۔ (نزول المسیح حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۴۳ طبع اوّل)

ج: "مادرِ مہربان کی طرح" (براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۵۰۳ حاشیہ در حاشیہ)

اب دیکھو ان عبارتوں میں کس قدر صراحت کے ساتھ اپنے آپ کو حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا بیٹا قرار دیا گیا ہے۔

جوابؒ ۲ لیکن ذرا حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ کے اس کشف کی تعبیر کر دینا:۔

قَالَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ رَأَیْتُ فِی الْمَنَامِ کَاَنِّیْ فِیْ حِجْرِ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ رَضِیَ اللّٰهُ

عَنْهَا وَ اَنَا اَرْضِعُ ثَدْيَهَا الْاَيْمَنَ ثُمَّ اَخْرَجْتُ ثَدْيَهَا الْاَيْسَرَ فَرَضَعْتُهُ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلْعَمْ ۔" (قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر صاحب جیلانیؒ مطبوعہ مصر ص۳ سطر۹)

فرمایا حضرت سید عبدالقادر جیلانی نے خواب میں دیکھا کہ میں حضرت عائشہؓ کی گود میں ہوں اور اُن کے دائیں پستان کو چوس رہا ہوں۔ پھر میں نے بایاں پستان باہر نکالا اور اس کو چوسا پس اس وقت آنحضرت صلعم اندر تشریف لے آئے۔"

بتائیے! حضرت عائشہؓ کی توہین تو نہیں ہوئی۔ یاد رہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی جسمانی رشتہ (مثلاً نسل حضرت عائشہؓ سے ہونا وغیرہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نہ تھا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل سے ہونے کے باعث ان کے فرزند تھے۔ خادم

جواب۵۔ دیوبندیوں کے معظّم ولی اللہ مولوی حسین علی دیوبندی آف واں بھچراں ضلع میانوالی اپنی کتاب بُلْغَةُ الْحَيْرَان ص۸ تتمہ پر لکھتے ہیں :۔ "رَأَيْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَانَقَنِيْ وَ ذَهَبَ بِيْ فِيْ مُعَانَقَتِهٖ عَلَى الصِّرَاطِ (اَيْ پُل صراط)۔۔۔۔۔ وَرَأَيْتُ اَنَّهٗ يَسْقُطُ فَاَمْسَكْتُهٗ وَ اَعْصَمْتُهٗ عَنِ السُّقُوْطِ۔" (بُلْغَةُ الحیران مطبوعہ حمایت اسلام پریس لاہور بار اوّل آخری حصہ کتاب کا ص۸) یعنی میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلعم نے میرے ساتھ معانقہ فرمایا اور معانقہ ہی کی حالت میں پُل صراط کی طرف چل پڑے۔ میں نے دیکھا کہ حضورؐ گرنے لگے ہیں۔ پس میں نے آپؐ کو پکڑ لیا اور گرنے سے بچا لیا۔"

لیکن یہ پڑھ کر بھی احراری حضرات جوش میں نہیں آتے۔

جواب۶۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ایک رؤیا درج ذیل ہے :۔

"ایک رات میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استخوان مبارک (ہڈیاں۔ خادم) لحد میں جمع کر رہے ہیں۔ اُن میں سے بعض کو پسند کرتے ہیں اور بعض کو ناپسند چنانچہ خواب کی ہیبت سے بیدار ہوتے۔" (تذکرۃ الاولیاء۔ اُردو باب اٹھارہواں ص۲۶ نیز کشف المحجوب مصنفہ حضرت داتا گنج بخشؒ مترجم اُردو ص۱۰۹ سطر ۱۰) حوالجات ۳، ۴ کے پیش نظر سید عطاء اللہ بخاری امیر شریعت احرار کا یہ قول بھی ملاحظہ فرما دیں :۔

"خدا کو جو جی میں آئے کہو مگر محمدؐ کے متعلق سوچ لینا۔ یہ معاملہ عقل و خرد کا نہیں بلکہ عشق کا ہے پھر یہ نہیں دیکھا جائیگا کہ قانون کیا کہتا ہے پھر جو ہونا ہوگا وہ ہو جائیگا اور جو ہوگا وہ دیکھا جائیگا۔"

(تقریر سید عطاء اللہ بخاری بر موقعہ احرار کانفرنس لاہور مطبوعہ آزاد ۱۴ نومبر ۱۹۴۹ء ص۲)

لیکن تعجب ہے کہ احمدیوں کے خلاف تو بنی فاطمہ میں سے آنے والے مہدی کے اس رویاء پر کہ حضرت فاطمۃ الزہرا نے اس کو فی الواقع اپنا بیٹا خیال فرمایا۔ اشتعال انگیزی کو انتہا تک پہنچا رہے ہیں، لیکن مولوی حسین علی کے پُل صراط والے رؤیا کو پڑھنے سننے پر بھی اُن کی جھوٹی غیرت جوش میں نہیں آتی۔ بلکہ اس کو رحمۃ اللہ علیہ سے ملقب کہہ کر پکارتے ہیں۔ یاد رہے مولوی حسین علی مذکور کو دیوبندی علماء اپنا بزرگ تسلیم کرتے ہیں اسی

طرح حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے رؤیا کی تاویل کرتے ہیں اور اس کو ظاہر پر محمول کرکے اشتعال انگیزی نہیں ہوتی۔ حالانکہ ان کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر اب تک بجنسہٖ محفوظ ہے لہٰذا استخوان مبارک کے انتخاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ سچ ہے ؎

گرچہ جرم عشق غیروں پر بھی ثابت تھا ولے
قتل کرنا تھا ہمیں۔ ہم ہی گنہگاروں میں تھے (میر تقی میر)

۶۳۔ میں کبھی آدمؑ کبھی موسیٰؑ کبھی یعقوبؑ ہوں

حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔
میں کبھی آدم، کبھی موسیٰ، کبھی یعقوب ہوں — نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بیشمار

الجواب ۱:۔ اس شعر سے مراد یہ ہے کہ ان انبیاءؑ کی کوئی نہ کوئی صفت حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ آپ جامع جمیع صفات انبیاء ہیں چنانچہ خود حضرتؑ اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں آدمؑ ہوں۔ میں نوحؑ ہوں۔ میں ابراہیمؑ ہوں۔ میں اسحٰقؑ ہوں۔۔۔۔۔۔۔ سو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جاوے اور ہر ایک نبی کی ایک صفت کا میرے ذریعے سے ظہور ہو۔"
(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۵)

۲۔ بحارالانوار میں امام باقرؒ فرماتے ہیں:۔
"يَقُوْلُ (الْمَهْدِيُّ) يَا مَعْشَرَ الْخَلَائِقِ اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ فَهَا اَنَا ذَا اِبْرَاهِيْمُ وَاِسْمٰعِيْلُ اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى مُوْسٰى وَيُوْشَعَ فَهَا اَنَا ذَا مُوْسٰى وَيُوْشَعُ اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى عِيْسٰى وَ شَمْعُوْنَ فَهَا اَنَا ذَا عِيْسٰى وَشَمْعُوْنَ اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى مُحَمَّدٍ وَ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَهَا اَنَا ذَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔"
(بحارالانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۲)

"یعنی امام مہدی کہے گا کہ اے لوگو! اگر تم میں سے کوئی ابراہیمؑ۔ اسمٰعیلؑ کو دیکھنا چاہتا ہے تو سُن لے کہ میں ہی ابراہیم و اسمٰعیل ہوں۔ اور اگر تم میں سے موسیٰؑ و یوشعؑ کو دیکھنا چاہے تو سُن لے کہ میں ہی موسیٰ اور یوشع ہوں اور اگر تم میں سے کوئی عیسیٰؑ و شمعونؑ کو دیکھنا چاہتا ہے تو سُن لے کہ عیسیٰ اور شمعون میں ہوں اور اگر کوئی تم میں سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور امیرالمؤمنین علیؓ کو دیکھنا چاہتا ہے تو سُن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امیرالمؤمنین میں ہوں۔"

۳۔ پھر فرماتے ہیں:۔
"قَوْلُهٗ فَهَا اَنَا ذَا اٰدَمُ يَعْنِيْ فِيْ عِلْمِهٖ وَفَضْلِهٖ وَاَخْلَاقِهٖ۔" (بحارالانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۹)

امام مہدی کا یہ فرمانا کہ میں آدم ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ آدم کے تمام فضل اور اخلاق مجھ میں پائے جاتے ہیں۔ غرضیکہ ؎

مَیں کبھی آدمؑ کبھی موسیٰؑ کبھی یعقوبؑ ہوں نیز ابراہیمؑ ہوں نسلیں ہیں میری بیشمار

کہنا امام مہدی کی علامت ہے اور حضرت اقدسؑ میں اس علامت کا پایا جانا آپؑ کی صداقت کی دلیل ہے۔ نہ کہ جائے اعتراض۔

۴۔ امام مہدی کی تو خیر یہ علامت تھی، لیکن ابویزید بسطامیؒ کی تو یہ علامت نہ تھی مگر فرماتے ہیں:۔

"پوچھا کہتے ہیں ابراہیم۔ موسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ فرمایا "میں ہوں" جو شخص حق تعالیٰ میں محو ہو جاتا ہے وہ حق بن جاتا ہے اور جو کچھ ہے حق ہے ایسی صورت میں وہ سب کچھ ہو تو کوئی تعجب کا مقام نہیں۔"

(تذکرۃ الاولیاء مصنفہ حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ چودھواں باب صـ۱۲۸)

۶۴۔ غارِ ثور کی خستہ حالت

حضرت مرزا صاحب نے یہ لکھا کہ غارِ ثور جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ لی تھی نہایت خستہ حالت میں تھی اس میں جانوروں کا میلا پڑا ہوا تھا آنحضرتؐ کی توہین کی ہے ؟

جواب (۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہرگز توہین نہیں کی بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ہمارے لئے غیرت کا مقام ہے کہ ہم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو یہ مانیں کہ حضورؐ کو جب دشمنوں نے مارنا چاہا تو خدا تعالیٰ نے آپؐ کو مکہ سے رات کی تاریکی میں ہجرت کا حکم دیا اور پھر ایک نہایت گندے غار میں آپ کو پناہ دی مگر جب مسیح کے دشمنوں نے ان کو مارنا چاہا تو خدا ان کو آسمان پر اُٹھا کر لے گیا۔

(ب) غارِ ثور کی خستہ حالت کے متعلق حضرت اقدسؑ نے جو کچھ لکھا وہ درست ہے ملاحظہ ہو:۔

"صدیق رضی اللہ عنہ چوں دید کہ پائے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجروح گشت۔ آنحضرتؐ را برگردن نیشاند و گفت یا رسول اللہ ! اینجا توقف کن تا اوّل من درین غار درآیم کہ شب است تاریک و غار خالی از حشرات نبے باشد تا از اشکِ دیدہ منزلت را آب زنم و بجاروب مژہ مسکنت را بروبم پس صدیق اکبر ایں گفت و در غار آمد غارے دید بسا خراب شدہ و مُدتے کسے آنجا نہ رسیدہ و عہد بعید روئے ہیچ نزیلے نہ دیدہ و برمثالِ سجلات زلات عصاۃ سیاہ و تاریک گشتہ و مانند بیت الاحزانِ محرومان بے سامان گشتہ و در غایتِ ضیق و ناہمواری چوں اکباد عشاق پُر از حیات و عقارب۔ پس ابوبکرؓ جامۂ در برداشت پارہ پارہ کردہ و بدستِ مبارک خود دراں تاریکی یک یک سوراخ را تفحص کردہ بپارۂ آں جا محکم میکرد۔ پس ابوبکرؓ براں طریقہ تمام سوراخہا مسدود ساخت۔ مگر یک سوراخ کہ جامۂ او بداں وفا نکرد و پاشنہ پائے خود را بآنجا فشرد۔ و آنچہ در خدمتگاری دست میداد پیش مے برد۔ بعد ازاں حضرت رسالت را (صلی اللہ علیہ وسلم) استدعا نمودؐ آقا در غار در آمد۔" (معارج النبوۃ رکن ۲ صفحہ ۷۶)

پھر لکھتے ہیں:۔

"پاتہائے مبارکِ آں سرورؐ مجروح شد۔ ابوبکر صدیق اُورا بر دوشِ خود داشت و بہ درِ غار سانید و نخست خود در غار آمد تا آفتے و مکروہے بآنحضرت نرسد و ہوام در آں غار مسکن داشتند پس باندروں رفت و بنشست او احتیاط کرد و حجرہ تاریک بود۔ ہر سُوراخ کہ یافت وصلہ از جامہ خود کہ بروقیمتی بود پارہ می ساخت و سوراخ بآں مضبوط مے کرد و یک سوراخ ماند کہ جامہ بآں وفا نہ کرد۔ پاشنہ پائے خود بآں محکم گردانید۔ پس گفت یارسول اللہ! درآ۔ حضرت درآمد۔"

(مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۸۲ مصنفہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحفہ گولڑویہ ص۱۱۲ پر غارِ ثور کی جس خستہ و خراب حالت کا نقشہ کھینچا ہے وہ بالکل درست ہے باقی تمہارا یہ کہہ کر دھوکہ دینا کہ ص۱۱۳ تحفہ گولڑویہ میں حضرتؑ نے نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبرہ کا ذکر فرمایا ہے۔ انتہائی شرارت ہے کیونکہ حضورؐ کا روضہ حجرہ عائشہؓ میں تھا یعنی وہ مکان تھا جس میں حضورؐ اپنی زندگی میں خود رہتے تھے۔ کیا وہ غیر آباد تھا؟

۶۵۔ حضرت مریمؑ کی توہین کا الزام

مرزا صاحب نے چشمہ مسیحی کے صفحہ ۲۵ تا ۲۸ طبع اول پر حضرت مریم پر نعوذ باللہ تہمت لگائی۔

جواب:۔ یہ جھوٹ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مریم پر زنا کا الزام لگایا ہے اور یہ بھی جھوٹ ہے کہ حضرتؑ نے اپنی طرف سے انکے یوسف نجار کیساتھ نکاح پر کوئی اعتراض کیا ہے یہ اعتراض کہ حضرت مریمؑ نے باوجود ہیکل کی خدمت کا عہد کرنے کے حمل کے سات مہینے بعد یوسف کے ساتھ نکاح کیوں کر لیا۔ یہ حضرت مسیح موعود کا اعتراض نہیں بلکہ انجیل کی تعلیم کی رُو سے یہودیوں کا اعتراض ہے جس کو حضرت مسیح موعودؑ نے عیسائیوں کے بالمقابل درج کیا ہے۔ "یہ لوگ (عیسائی۔ خادمؔ) اپنے گریبان میں مُنہ نہیں ڈالتے اور نہیں دیکھتے کہ انجیل کسقدر اعتراضات کا نشانہ ہے دیکھو یہ کسقدر اعتراض ہے کہ مریم کو ہیکل کی نذر کر دیا گیا۔ تاکہ وہ ہمیشہ بیت المقدس کی خادمہ ہو۔" الخ

(چشمہ مسیحی ص۲۵ تا ص۲۸ طبع اول)

گویا یہ اعتراض انجیل پر وارد ہوتا ہے مگر قرآنی تعلیم پر یہ اعتراض نہیں پڑتا۔ کیونکہ اس اعتراض کو نقل کر کے حضرت مسیح موعودؑ نے اس کے ساتھ ہی فرما دیا ہے۔ "ہم قرآن شریف کی رُو سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ حمل محض خدا کی قدرت سے تھا۔" (ایضاً ص۲۷)

باقی رہا حضرت مریم کا خدا تعالیٰ کی قدرت مجردہ سے حاملہ ہوجانے کے بعد یوسف سے نکاح کرلینا۔ یہ کوئی ناجائز فعل نہیں ہے اور اس کے لئے تاریخی طور پر ثبوت موجود ہے چنانچہ تاریخ کی مشہور معروف کتاب الکامل ابن اثیر میں لکھا ہے:۔

"قَدْ ذَكَرْنَا حَالَ مَرْيَمَ فِيْ خِدْمَةِ الْكَنِيْسَةِ وَكَانَتْ هِيَ وَابْنُ عَمِّهَا يُوْسُفُ

بْنُ يَعْقُوْبَ بْنَ مَاثَانِ النَّجَّارُ يَلِيَانِ لِخِدْمَةِ الْكَنِيْسَةِ وَكَانَ يُوْسُفُ حَكِيْمًا نَجَّارًا يَعْمَلُ بِيَدِهٖ وَيَتَصَدَّقُ بِذٰلِكَ وَقَالَتِ النَّصَارٰى اَنَّ مَرْيَمَ كَانَ قَدْ تَزَوَّجَهَا يُوْسُفُ ابْنُ عَمِّهَا اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَقْرِبْهَا اِلَّا بَعْدَ رَفْعِ الْمَسِيْحِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَكَانَتْ مَرْيَمُ اِذَا نَفِدَ مَاۗءُهَا وَمَاۗءُ يُوْسُفَ بْنِ عَمِّهَا اَخَذَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا قُلَّتَهٗ وَانْطَلَقَ اِلَى الْمَغَارَةِ الَّتِيْ فِيْهَا الْمَاۗءُ يَسْتَعْذِبَانِ مِنْهُ ثُمَّ يَرْجِعَانِ اِلَى الْكَنِيْسَةِ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِيْ لَقِيَهَا فِيْهِ الْجِبْرَائِيْلُ نَفِدَ مَاۗءُهَا فَقَالَتْ لِيُوْسُفَ لِيَذْهَبَ مَعَهَا اِلَى الْمَاۗءِ فَقَالَ عِنْدِيْ مِنَ الْمَاۗءِ مَا يَكْفِيْنِيْ اِلٰى غَدٍ فَاَخَذَتْ قُلَّتَهَا وَانْطَلَقَتْ وَحْدَهَا حَتّٰى دَخَلَتِ الْمَغَارَةَ فَوَجَدَتْ جِبْرَائِيْلَ ۔“ (تاریخ کامل ابن اثیر جلد ا صـ۱۲۱)

ترجمہ:۔ حضرت مریمؑ کے کلیسہ کی خدمت کا حال ہم نے اُوپر ذکر کر دیا ہے۔ مریم اور اس کے چچا کا بیٹا یوسف بن یعقوب بن ماثان نجار۔ دونوں کلیسہ کی خدمت پر مقرر تھے اور یوسف حکیم اور ترکھان تھا۔ جو اپنے ہاتھوں سے کام کر کے صدقہ دیا کرتا تھا اور عیسائی کہتے ہیں کہ مریم سے اس کے چچا کے بیٹے یوسف نے نکاح کر لیا ہوا تھا، لیکن حضرت عیسٰیؑ کے رفع کے بعد تک وہ حضرت مریمؑ کے نزدیک نہیں گیا تھا۔ واللہ اعلم! اور مریمؑ اور یوسف کے مشکیزے کا پانی جب ختم ہو جاتا تو وہ دونوں اپنا اپنا برتن لیتے اور اس غار میں جاتے جہاں پانی تھا۔ اور وہاں سے پانی لے کر واپس گرجا میں آجاتے تھے، لیکن جس دن حضرت جبرئیلؑ حضرت مریمؑ سے ملے اس دن حضرت مریم کا پانی ختم ہو گیا تھا اور انہوں نے یوسف سے کہا کہ وہ ان کے ساتھ پانی لینے چلے مگر اس نے جواب دیا میرے پاس ہنوز پانی ہے جو کل تک کفایت کرے گا۔ پس مریم نے اپنا برتن لیا اور اکیلی چل پڑی۔ یہاں تک کہ غار میں داخل ہوئی اور وہاں پر انہوں نے جبرائیل کو دیکھا۔“